آلِ محمدؐ کا مہمانؑ
آغا امیر حسین

مدینہ و نجف و کربلا میں رہتا ہے
دل ایک وضع کی آب و ہوا میں رہتا ہے

افتخار عارف

بصد عجز و نیاز

محمدؐ و آلِ محمدؐ

کے حضور

رپورتاژ

آغا امیر حسین

کلاسیک ○ لاہور

ISBN 969-28-0063-6

ہدیہ یک صد روپے صرف

سرورق

روضہ حضرت عباسؑ علمدار پس منظر میں
روضہ حضرت امام حسینؑ شہید اعظم

تصویر۔ امیر حیدری

زیر اہتمام

سید راشد حسین آغا

ناشر

کلاسیک چوک ریگل (مال) لاہور

فون: 7312977 فیکس: 7323963

باراول	جولائی 98ء	سپوتنک
باردوم	جولائی 98ء	کلاسیک
بارسوم	اکتوبر 98	//
بارچہارم	فروری 99ء	//
بارپنجم	جنوری 2000ء	//
بارششم	اپریل 2001ء	//

طابع: زاہد بشیر پرنٹرز۔ لاہور

ترتیب

عراق

عراق عراق عراق

عراق

عراق (گزرتے گزرتے)

ایران

نجف اشرف، روضہ مبارک حضرت علی ابن ابی طالب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اذن حضوری

پچھلے برس اللہ کا مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا۔ فریضہ حج اور ارض حجاز میں زیارات مقدسہ کی سعادت سے ایک طرف تو روحانی آسودگی ملی لیکن دوسری طرف پیاس کچھ اور بڑھ گئی۔ اہلیہ کی بھی خواہش تھی کہ اب جلد از جلد زیارات آئمہ مطہرین کے لئے رخت سفر باندھا جائے۔ چاہتا تو میں بھی یہی تھا لیکن جب تک اذن باریابی نہ ہو' ان عظیم ہستیوں کے ہاں حاضری دینا کب ممکن ہوتا ہے۔ جب تک وہ نہ بلائیں' دنیا آڑے آتی رہتی ہے۔ بیگم کے مسلسل اصرار پر میں وعدے پہ وعدہ کئے جا رہا تھا۔ بس انشاء اللہ اگلے مہینے انتظام ہو جائے گا لیکن میری اپنی خواہش کے باوجود بظاہر کاروباری' سیاسی اور سماجی مصروفیات مجھے اس طرح جکڑے ہوئے تھیں کہ "سامان سفر" ہوتا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔ اگر مصروفیت میں کچھ نرمی آتی تو مناسب قابل اعتماد کاروان زیارت کا ساتھ نہ بنتا۔ یوں ہم میاں بیوی کا اضطراب تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بار منت درباں کئے ہوئے

مرزا غالب نے تو نہ جانے کس جذبے اور کیفیت میں یہ شعر کہا تھا' لیکن سچی بات ہے اپنے جی میں صرف یہ تھا کہ کسی امام محترم کے در اقدس پر جا پڑیں۔ جو نشہ مسجد نبوی اور دیگر زیارات نے چڑھایا تھا اب اس کے اترنے سے جسم ٹوٹ رہا تھا۔ لاہور میں زیارات کے لئے قافلے بالاہتمام جاتے رہتے ہیں۔ تین چار بار کوشش کی کہ کسی کارواں کا ساتھ مل جائے لیکن قافلے کا شیڈول میری کاروباری مصروفیات سے ٹکرا جاتا۔ کسی نہ کسی وجہ سے بیل منڈھے نہ چڑھتی لیکن پھر وہی ہوا' ممتاز مفتی کی طرح ہماری باریابی کی

فائل پر دستخط ہو گئے۔ بارگاہ آئمہ میں ہماری حاضری منظور ہو گئی' بلاوا آ گیا۔ سب معاملات یوں سیدھے ہوئے کہ میرے لئے کوئی عقلی جواز پیش کرنا مشکل ہے۔ سب کچھ چند روز میں طے ہو گیا اور حج ہی کے ایام میں میدان کربلا میں پہنچنے کی خواہش پوری ہو گئی۔ کربلا جو محسن انسانیت' حضرت امام حسینؑ کی عظیم قربانی کی لازوال علامت ہے۔ کربلا اور حسین' تاریخ عالم کے دو ایسے نام ہیں جو گمراہی سے راستی اور تاریکی سے روشنی کی طرف لے جاتے ہیں۔

شاہ است حسین' بادشاہ است حسین
دین است حسین' دین پناہ است حسین
سر داد' نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

○ ○ ○
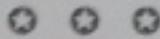
نافتان کے راستے چاغی کے قریب سڑک پر

روانگی

30 مارچ 1998ء کو عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کی بہت سی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ لاہور سے PK 323 کے ذریعے کوئٹہ کے راستے سفر زیارت کا آغاز ہو رہا ہے۔ یہ ابتدائی سطریں جہاز میں اپنی نشست پر بیٹھ کر تحریر کر رہا ہوں۔ اب جیسے جیسے سفر آگے بڑھے گا، روزانہ کا احوال لکھتا جاؤں گا۔ فریضہ حج کی رپورتاژ کو اردو کے قارئین نے ملک اور بیرون ملک بہت پسند کیا (دراصل میری حوصلہ افزائی کی) چنانچہ حوصلہ پاکر اب سفر زیارت بھی پڑھنے والوں کی نذر کر رہا ہوں۔

وطن عزیز کی فضاؤں میں، پی آئی اے کی ایئربس میں تیسرے درجہ کا گھٹیا ترین کھانا مہیا کیا گیا۔ (اپنے قومی ادارے کی سروس کے لئے مجھے یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے) پی آئی اے بھی ملک کے دیگر اداروں کی طرح تیزی سے خودکشی کے عمل سے دوچار ہے۔ اب تو نزع کی کیفیت میں ہے، دیکھیں یہ کیفیت اس پر کتنا عرصہ طاری رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کریں اور اس کی جاں بری اور بہتری کی کوئی صورت نکل آئے۔

ایک گھنٹہ دس منٹ میں پرواز مکمل ہوئی۔ کوئٹہ ایئرپورٹ پر تعمیر و توسیع کا کام جاری ہے۔ 5 بجے باہر آئے، 5 عدد ڈبل کیبن ٹویوٹا گاڑیاں موجود تھیں (5 کا عدد سفر کے اگلے مرحلوں کے لئے اچھا شگون بن کر سامنے آیا) میں نے قافلہ سالار جاوید زیدی سے کہہ کر اپنے لئے ایک علیحدہ ڈبل کیبن بک کروالی کہ سفر طویل ہے اور راستے کا کچھ پتہ نہیں چنانچہ سفر کی کلفت سے بچنے کا اہتمام کر لیا جائے۔

اسی روز، شام ساڑھے پانچ بجے کے قریب کوئٹہ بائی پاس سے تفتان کے لئے ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ اب یہ قافلہ چھ ڈبل کیبن کاروں پر مشتمل تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ وادی چلتن کے خشک پہاڑ بلکہ پوری وادی، پچھلے دنوں ہونے والی غیر معمولی بارشوں کی بدولت سرسبز و شاداب تھی۔ شام کا وقت، بہار کا موسم، خنک ہوا اور زیارات کا تصور، سب نے مل کر سفر پر کیف بنا دیا۔ اتفاق سے جو ٹویوٹا ڈبل کیبن میرے حصہ میں آئی وہ صرف تینتیس ہزار کلومیٹر چلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے ایسی سواری، سڑک کے "صدمے" خود ہی

جذب کر لیتی ہے' سوار تک نہیں پہنچنے دیتی۔ یوں سفر زیادہ آسان ہو گیا۔ وادی چلتن کے درمیان سڑک پر ٹریفک زیادہ نہ تھا۔ اِکا دُکا گاڑیوں سے واسطہ پڑتا رہا۔ سڑک اگرچہ چھوٹی لیکن مناسب ہی تھی۔ سڑک کے دائیں بائیں وادی میں ٹیوب ویل لگائے جا رہے ہیں۔ روایتی بلوچ انداز کے احاطے بن رہے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد یہ وادی بھی آبادی سے معمور ہو گی۔ کہیں کہیں سیبوں کے درخت نظر آئے۔ مینگل قبائل کا یہ علاقہ گلہ بانی کے علاوہ پھلوں اور گندم کی کاشت میں بھی دلچسپی لیتا نظر آتا ہے۔ چلتن کے پہاڑوں میں شکار پر پابندی ہے۔ بلوچستان حکومت نے یہاں خاصا کام کیا ہے۔ اب ہم اس مقام پر پہنچے جہاں سے سڑک دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک شاخ کراچی کو اور دوسری تفتان کو نکل جاتی ہے۔ شام گہری ہوتی جا رہی تھی۔ جیسے جیسے اندھیرا بڑھا' باہر کے منظر غائب ہو گئے۔ اب ہم نسبتاً ٹوٹی پھوٹی سڑک اور گرد آلود ہواؤں والے حصہ میں آ گئے۔ راستے میں ایک مقام پر مغربین ادا کی۔ مزید کچھ سفر کے بعد ایک جگہ رکے اور کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر سے سفر شروع ہو گیا۔

بے نظیر دور میں ایران نے خیر سگالی کے اظہار کے لئے پاکستان میں نوکنڈی سے میرجاوا تک دو سوا دو سو کلومیٹر لمبی سڑک کی تعمیر شروع کرائی تھی۔ یہ سڑک ایک اچھا موٹروے ہے لیکن کچھ مقامات پر ابھی نامکمل ہے' بلکہ آج کل تو اس پر کام بند ہے۔ یہ بندش نواز شریف حکومت سے ایران کے تعلقات میں سردمہری کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اگر یہ سڑک میرجاوا سے نوکنڈی اور پھر کوئٹہ تک بن جائے تو دونوں ملکوں کے عوام کو مزید قریب لائے گی۔ تجارت بڑھے گی اور پورے علاقہ کی قسمت بدل جائے گی۔ کاش ہماری حکومتیں قومی مفادات میں فیصلہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔

رات کے سوا دو بجے ہم لوگ ڈالبندین کے اسٹیشن پر پہنچے۔ یہ تفتان سے پہلے آخری اسٹیشن ہے جس شاہراہ پر ہم سفر کرتے ہوئے آئے' اس پر جابجا پیٹرول پمپ موجود ہیں اور ہر جگہ پیٹرول 6 روپے لیٹر دستیاب ہے۔ پینے کا پانی بہت مشکل سے ملتا ہے جو ملتا ہے' وہ بھی پینے کے قابل نہیں ہوتا۔ تفتان کے قریب پہنچے تو دور سے روشنی کا سیلاب نظر

آیا۔ پتہ چلا کہ یہ روشن حصہ ایرانی سرحد میں میرجاوا ہے۔ اِدھر پاکستانی سرحد پر تفتان تو پوری قوم کی طرح اندھیرے میں ہے۔ آبادی کے شروع میں ڈرائیور نے ایک نئی مگر نامکمل مارکیٹ کے باہر گاڑی کھڑی کردی۔ بتایا گیا کہ یہاں کچھ دیر آرام کیا جائے گا اور نماز فجر کے بعد سرحد عبور کرنے کے مراحل طے ہوں گے۔

میرجاوا

31 مارچ 1998ء' ناشتہ سے فارغ ہو کر پاکستان امیگریشن اور کسٹمز کے پاس پہنچے۔ معمول کی کارروائی میں زیادہ وقت نہ لگا اور پھر ہم لوگ ایرانی چیک پوسٹ میرجاوا میں داخل ہو گئے۔ تفتان کے مقابلے میں میرجاوا' بہت خوبصورت' صاف ستھرا اور منظم نظر آ رہا تھا۔ ایرانی امیگریشن کے عملہ میں دو برقعے پوش خواتین تیزی کے ساتھ کام میں مصروف تھیں۔ بلا ضرورت یہاں بھی تاخیر نہ ہوئی۔ ایران کا معیاری وقت پاکستان سے نصف گھنٹہ پیچھے ہے چنانچہ امیگریشن کے مرحلہ کے دوران ہم سب نے اپنی گھڑیاں آدھا گھنٹہ پیچھے کر لیں۔ ایران میں امیگریشن اور کسٹمز میں وقت تو بہت کم صرف ہوا لیکن اس بات کا بہت دکھ ہوا کہ ایرانی عملہ نے اپنے ٹائلٹ کسی کو استعمال نہ کرنے دیئے پبلک ٹائلٹ یہاں سے کافی فاصلے پر تھے اور راہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ایرانی سرحد میں اپنی آمد کے اندراج کے بعد چار پانچ فرلانگ کا سفر ٹویوٹا ویگن میں کر کے "صدر دروازے" پر آئے۔ یہاں پولیس چوکی کے بزرگ انچارج نے بھی ٹائلٹ خراب ہے کی رٹ لگائی اور کسی کو استعمال کرنے کی اجازت نہ دی۔ انتہائی کم ظرفی کی بات تھی۔ اگر کوئی متبادل انتظام ہوتا تو ایک بات بھی تھی لیکن یہاں انسانی مجبوری کا قطعاً کوئی خیال نہیں کیا جا رہا تھا۔ قافلہ سالار' جاوید زیدی اچھی بھلی فارسی جانتے ہیں۔ انہوں نے بزرگ انچارج سے بحث شروع کر دی لیکن اس دوران مجھے زبردستی ٹائلٹ استعمال کرنے کے لئے آگے کر دیا۔ دیکھا تو ٹائلٹ بالکل ٹھیک حالت میں تھا۔ فلش سسٹم بھی درست تھا' پانی بھی موجود تھا۔ مجھے تو

کوئی خرابی نظر نہ آئی۔ حکومت ایران کو اس طرف توجہ دینا چاہیے۔ مہمانوں مسافروں اور زائرین کی خدمت' چاہے خدمت نہ سہی معاوضے پر ہی سہی یہ سہولت فراہم کرنا چاہیے۔ کسی انسان کو اس بنیادی ضرورت سے تو مفر نہیں۔ میرجاوا کے مقام پر ہمیں جو تلخ تجربہ ہوا' اس کا کوئی سبب اور کوئی توجیہہ اپنے فہم سے بالاتر ہے۔

زاہدان

میرجاوا سے اگلی منزل 80 کلومیٹر دور زاہدان تھی۔ سفر شروع ہوا تو ابتداء میں کچھ مقامات پر پولیس نے زائرین کے پاسپورٹ سرسری طور پر دیکھے۔ ابھی ہم بلوچستان میں ہی تھے لیکن اب ایرانی بلوچستان میں۔ سڑکیں عمدہ اور اعلیٰ معیار کی ہیں۔ ایرانی بلوچستان میں پاکستانی بلوچستان کے مقابلے میں بہتر صورت حال نظر آئی۔ ہماری بس پاک ایران سرحد کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

ایرانی علاقے کو باقاعدہ خاردار تار لگا کر محفوظ کیا گیا ہے۔ ہم نے اپنی بس میں سے دیکھا کہ پاکستانی بلوچستان سے عورتیں' مرد اور بچے بھاگتے ہوئے خاردار تاروں کی طرف آرہے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ روزانہ کا معمول ہے۔ یہ لوگ ایرانی کولر' کمبل' کراکری اور دوسرا سامان کوئٹہ سمگل کرتے ہیں۔ ایرانی بارڈر سیکورٹی فورس انہیں مکمل طور پر نظرانداز کرتی ہے اس طرح یہ ایک اچھا خاصا کاروبار بن چکا ہے اور غیر سرکاری سطح پر جاری ہے۔ اِدھر پاکستانی کرنسی کی ڈیمانڈ اور ریٹ بھی بہت زیادہ ہے۔ ایک پاکستانی روپے کے عوض 1.55 ایرانی ریال مل جاتے ہیں۔ جبکہ بنک ریٹ ایک روپے کے عوض 80 ریال بتایا گیا۔

زاہدان شہر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ صفائی مثالی نظر آئی۔ قدیم اور جدید شہر ایک خوبصورت امتزاج پیش کرتا ہے۔ خوبصورت شاہراہیں' انتظامیہ کے متحرک اور فعال ہونے کی دلیل تھیں۔ میٹھے پانی اور پیٹرول کے لئے جگہ جگہ قطاریں نظر آئیں۔ میٹھا پانی تو خیر دور سے اور محدود مقدار میں آتا ہے لیکن پیٹرول کے لئے قطاریں چہ معنی دارد؟

سرائے امام رضا

خوبصورت شہر میں سے گزرتے ہوئے ہماری بس "سرائے امام رضا" پہ پہنچی۔ دلکش ماحول، اعلیٰ قیام گاہ اور عمدہ انتظامات زائرین کو بہت متاثر کرتے ہیں۔ مہمان خانے میں آکر کھانا کھایا اور استراحت کے لئے لیٹ گئے۔ میرا ذہن تین عشرے پیچھے چلا گیا۔ اس زمانے میں ریڈیو زاہدان، پاکستانی سامعین میں بہت مقبول تھا۔ اس کی اردو سروس کا حلقہ بہت وسیع تھا اب تو ڈش ٹیکنالوجی کی وجہ سے دنیا بھر کے سیٹلائٹ چینل، خبروں اور تفریح کے لئے ریڈیو پر غالب آگئے ہیں لیکن تب ریڈیو کا دور دورہ تھا۔ غیر ملکی ریڈیائی نشریات میں بی بی سی، ریڈیو سیلون اور آل انڈیا ریڈیو جیسے طاقتور اسٹیشنوں کے ساتھ ساتھ ریڈیو زاہدان نے اپنا ایک مقام بنا رکھا تھا۔ اس کا اپنا ایک مزاج تھا۔ "آواز کی دنیا کے دوستو--- یہ ریڈیو ایران زاہدان ہے۔" ثریا شہاب کی لوچ دار آواز ایک عرصہ تک پاکستانی سماعتوں میں رس گھولتی رہی۔

شام کو ٹیکسی لے کر شہر کی سیر کو نکلے۔ کچھ ضروری چیزیں بھی خریدنا تھیں۔ یوں شہر کی سیر بھی کی اور خریدار بھی۔ مہنگائی کا شدت سے احساس ہوا۔ اندازہ ہوا کہ اب ایران بھی بین الاقوامی مہنگائی کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ چند ایک چیزوں کے سوا، باقی ہر چیز پاکستان کے مقابلے میں مہنگی محسوس ہوئی۔ یہاں گھروں میں روٹی پکانے کا رواج نہیں۔ بتایا گیا کہ بڑی اور بھاری روٹی کی جگہ اب بڑی لیکن ہلکی (پھلکا) روٹی نے لے لی ہے۔ روٹی ایک مقررہ وقت پر فروخت ہوتی ہے۔ بیشتر مقامات پر لوگ روٹی خرید رہے تھے لیکن ہمارے ہاں کی طرح ہوٹل یا تندور پر ہجوم کر کے نہیں بلکہ مہذب قوموں کی طرح قطار میں لگ کر۔ رہے ہم لوگ تو مہذب ہونا تو خیر دور کی بات ہے پتہ نہیں ہم قوم کب بنیں گے یا پھر بے ہنگم ہجوم ہی رہیں گے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہم میں سماجی شعور، اقتصادی خوش حالی سے آئے گا یا اقتصادی خوش حالی، سماجی شعور بیدار ہونے سے آئے گی؟

مسافر خانہ رضا میں رات کا قیام گھر کے قیام جیسا ثابت ہوا۔ ٹھنڈی اور تیز ہوا کی وجہ سے رات آرام دہ اور پر سکون تھی۔ مسافر خانہ (سرائے امام رضا) زاہدان، تہران،
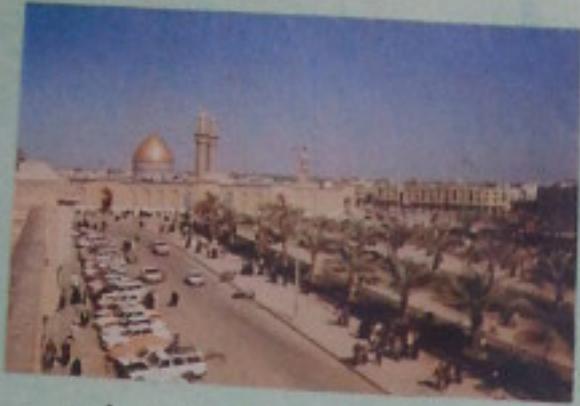
روضہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام کا بیرونی منظر
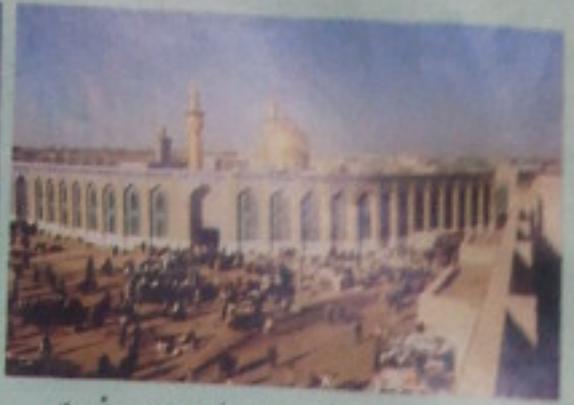
روضہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا بیرونی منظر
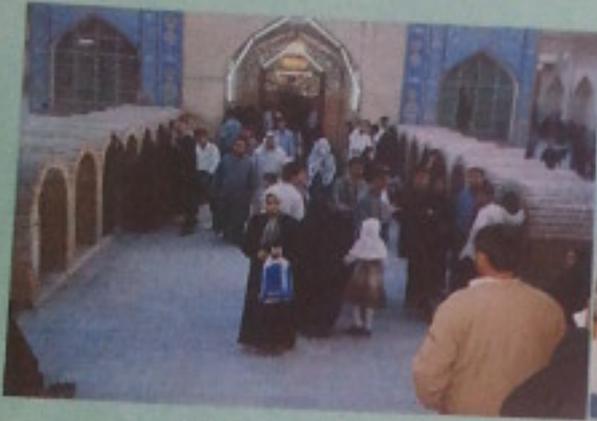
خیمہ گاہ حسینی (کربلا معلی)
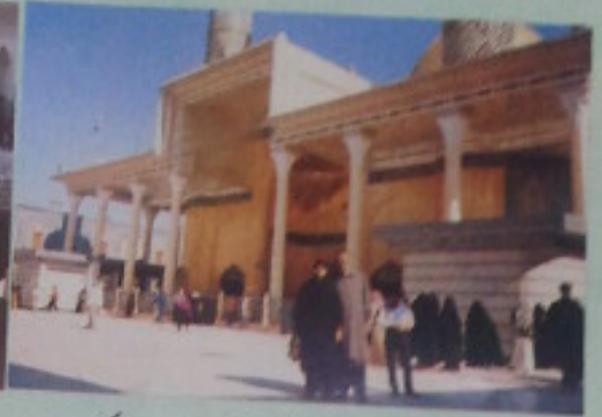
غازی عباس علیہ السلام کا روضہ مبارک
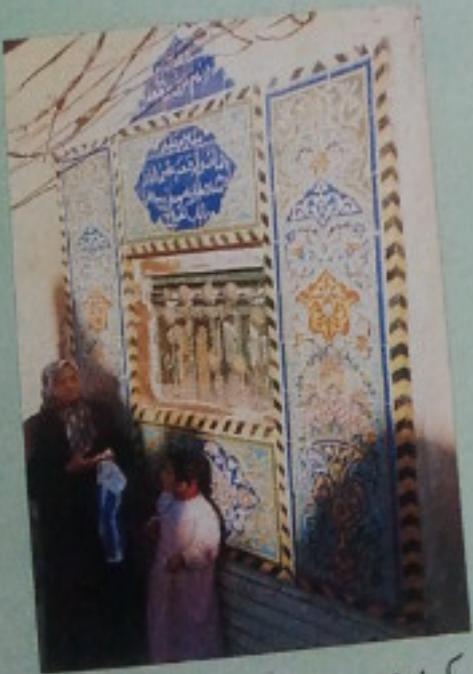
کربلا میں حضرت امام موسیٰ کاظم کا گھر

کربلا میں تلہ زینبیہ
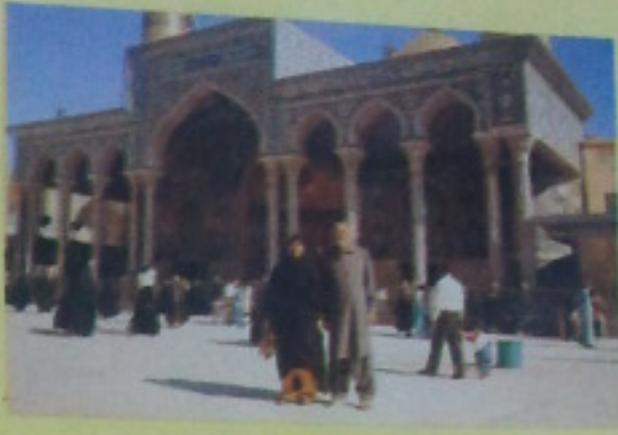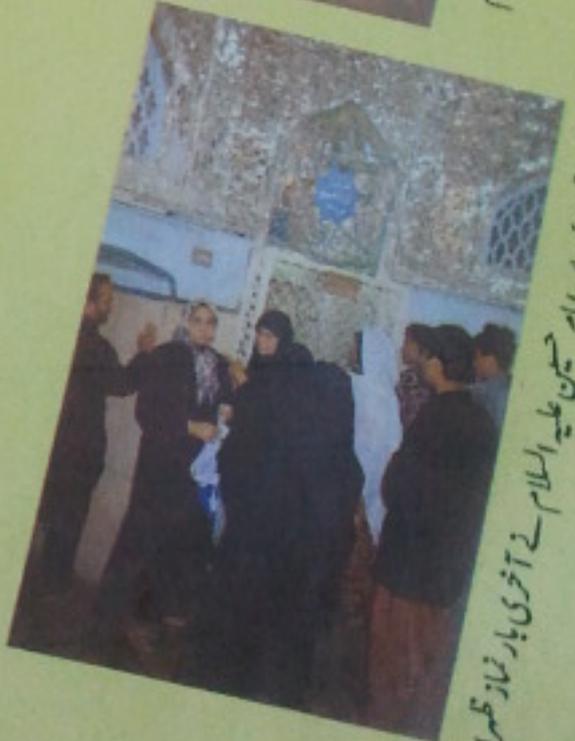
تلہ زینبیہ' وہ مقام جہاں بی بی زینب سانحہ کربلا کے وقت کھڑی تھیں

خیمہ گاہ حسینی' مقام حضرت قاسمؑ

روضہ حضرت عباس علمدار' جہاں پانی لحد مبارک کا طواف کرتا ہے

خیمہ گاہ حسینی' مقام بیمار کربلا

خیمہ گاہ حسینی' حجلہ حضرت قاسمؑ

کربلا' عمر سعد کے ساتھ امام عالی مقام کی آخری گفتگو کا مقام

کربلا، مقام قطع بازو، حضرت عباس علیہ السلام
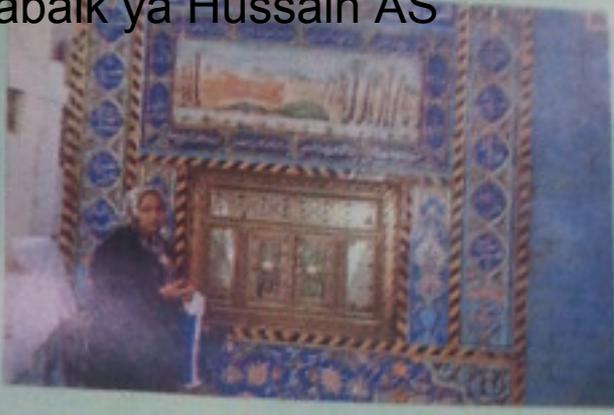
حضرت عباس کے دوسرے بازو کی شہادت کا مقام

سامرہ، مقام غائبت، حضرت صاحب الزمان

السید احمد بن ابراہیم
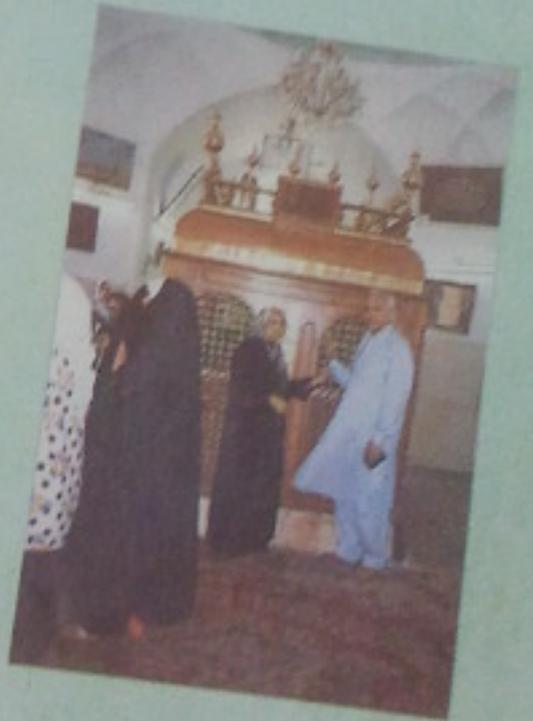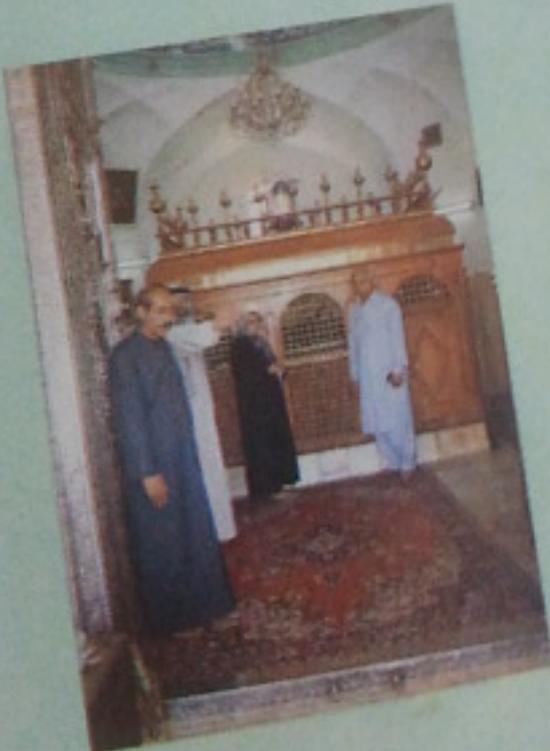
مسیب، حضرت مسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم اور حضرت محمد کی جائے مدفون
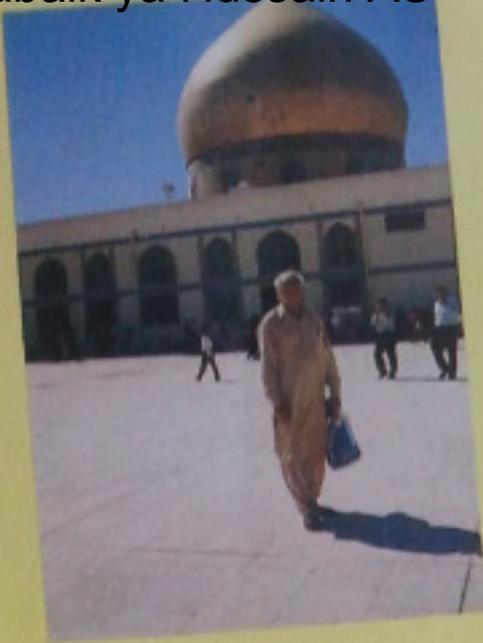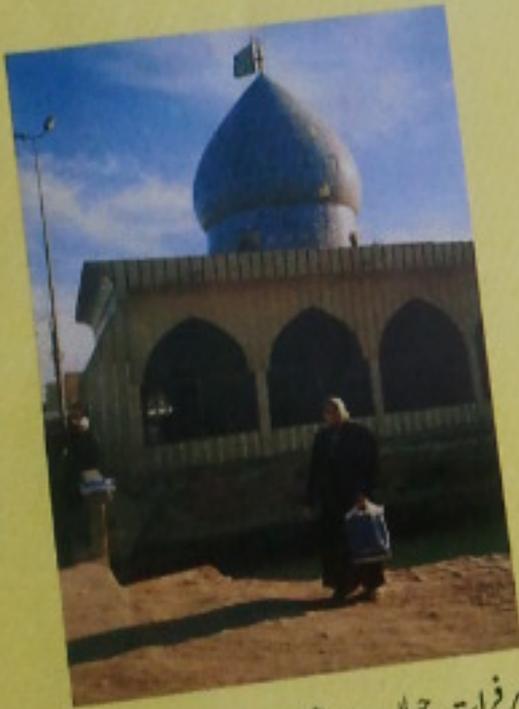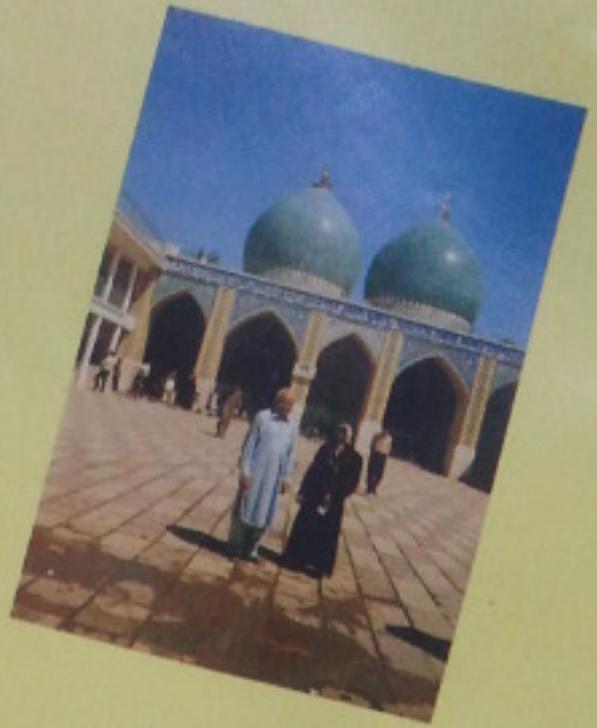
مقام صاحب الزمان

نہر فرات جہاں سے حضرت عباس نے مشکیزہ بھرا
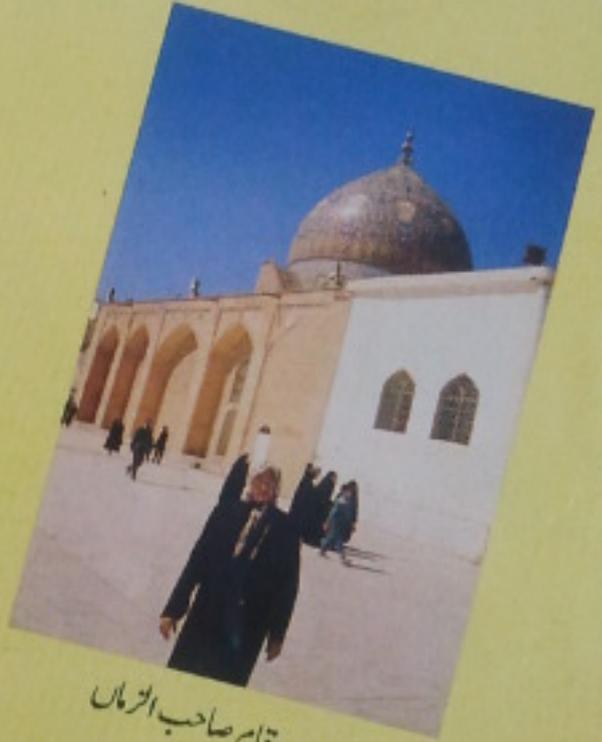
مقام صاحب الزماں

سامرہ

بار غ امام
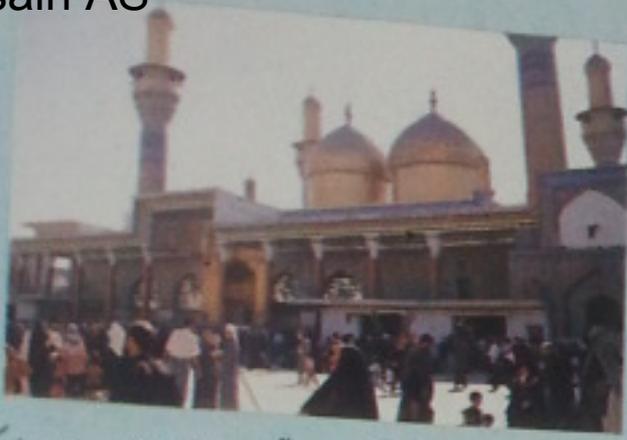
کاظمین، حضرت امام موسیٰ الکاظمؑ اور امام تقی علیہ السلام کا روضہ مبارک

حلہ، حضرت زید شہید بن علی کا روضہ مبارک

سامرہ، حضرت امام عسکریؑ کا روضہ مبارک

مدائن، حضرت جابر عبداللہ انصاری کی ضریح مبارک

مدائن، حضرت طاہر کی ضریح مبارک

مدائن ' حضرت طاہر کا روضہ مبارک

حضرت سید محمدؑ

مسیب ' حضرت مسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم اور حضرت محمد

سامرہ ' زندان جہاں حضرت امام حسن عسکری کو 11 سال تک قید رکھا گیا

مسجد سہلہ ' مقام صاحب الزمان
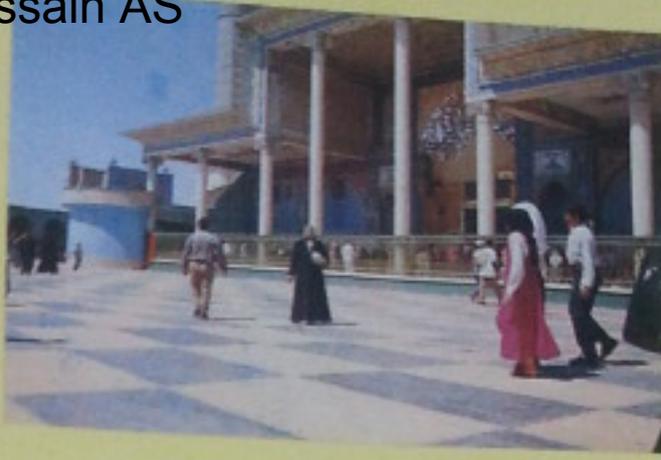
سامرہ، مقام حضرت حسن عسکریؑ

بغداد، حضرت بہلول دانا کا مزار مبارک
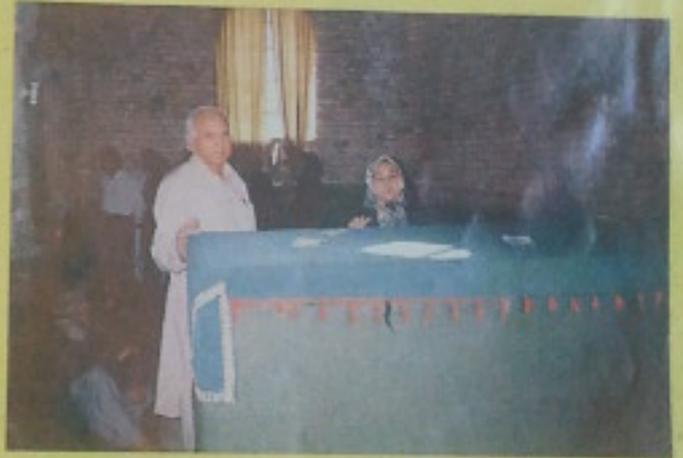
قید خانہ حضرت موسیٰ الکاظم
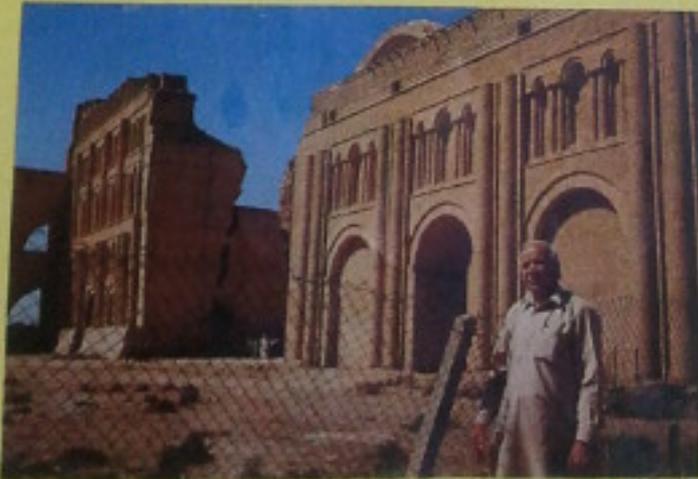
مدائن، طاق کسریٰ

بغداد' مزار حضرت امام ابو حنیفہؒ

دمشق' روضہ مبارک بی بی سکینہ کا بیرونی دروازہ

بغداد' مزار حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

بغداد کا معروف ریسٹورنٹ

بغداد' دجلہ کنارے
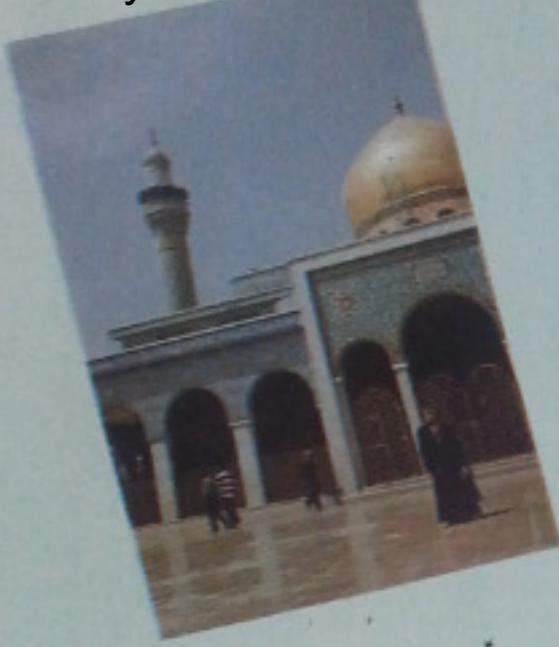
دمشق، ضریح مبارک بی بی زینبؑ

دمشق، ضریح مبارک بی بی سکینہ بنت حسینؑ

دمشق، دربار یزید (اب مسجد بنو امیہ کہا جاتا ہے)

حضرت زکریا کا مقام شہادت

دمشق، باب الساعات

دمشق، حضرت رقیہ کا نیا مقبرہ

دمشق، مقام سرہائے شہداء... یہاں سولہ سر دفن ہیں

دمشق، حضرت صغریٰ بنت امام حسین کا روضہ مبارک

دمشق، دربار یزید　　دمشق، مقام ام کلثوم

دربار یزید میں وہ مقام جہاں بی بی زینب نے خطاب فرمایا

دمشق، راس الحسین
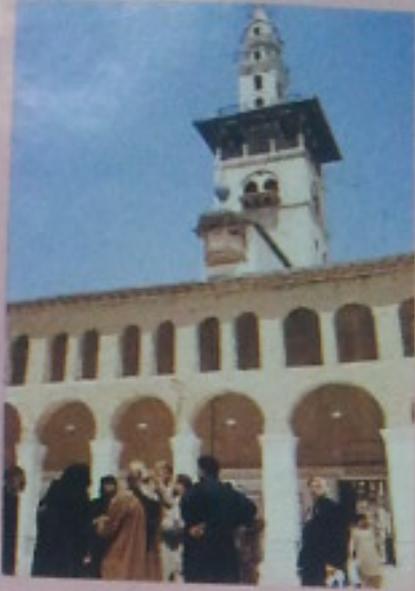
دمشق، حجر بن عدی الکندی کا روضہ مبارک

دربار یزید کا منارہ جہاں حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا

دمشق، صلاح الدین ایوبی کا مجسمہ

دمشق، زندان بی بی سکینہ میں مجلس کا منظر
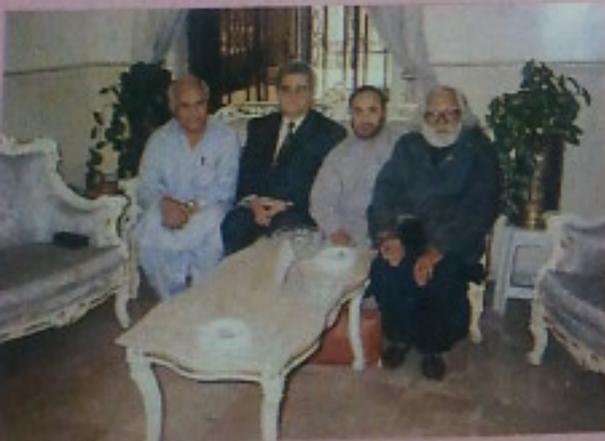
دمشق، حکومت شام کے وزیر سیاحت جناب شبلی کے ساتھ آغا امیر حسین، جاوید زیدی اور شاہ صاحب
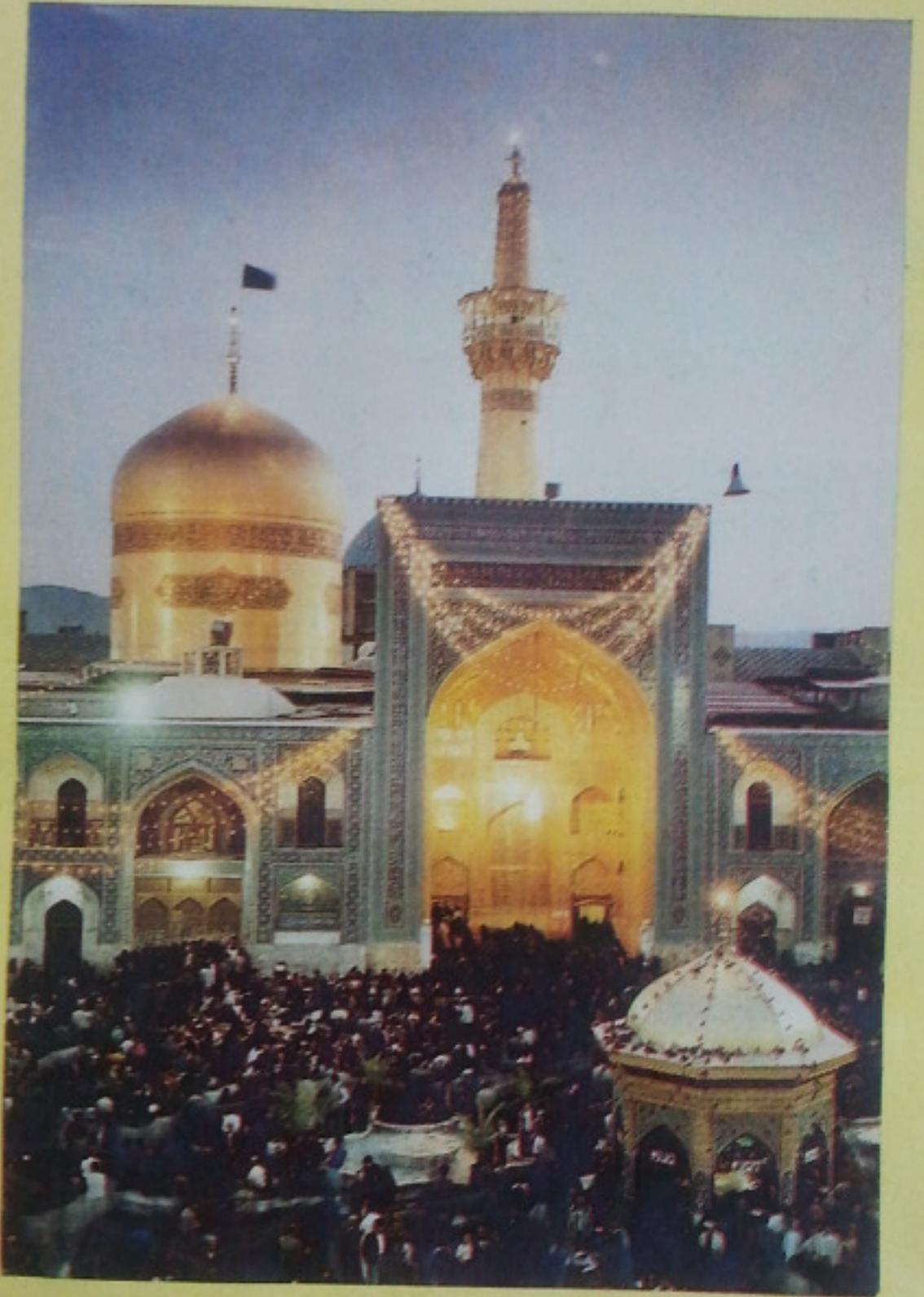
مشہد، روضہ مبارک حضرت امام رضا علیہ السلام

تہران، مزار امام خمینی
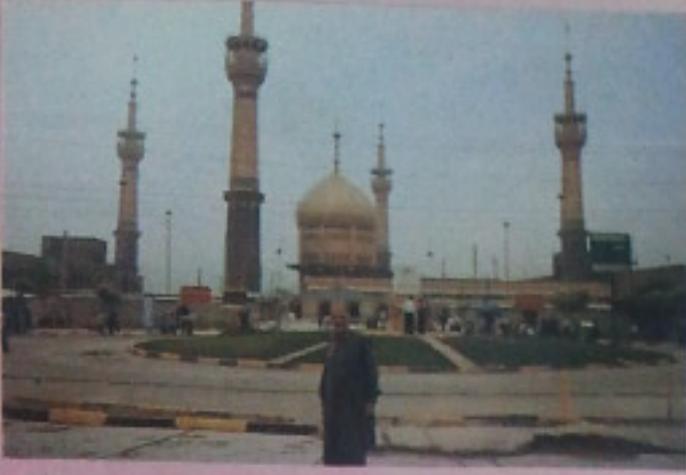
حضرت شاہزادہ اسماعیل
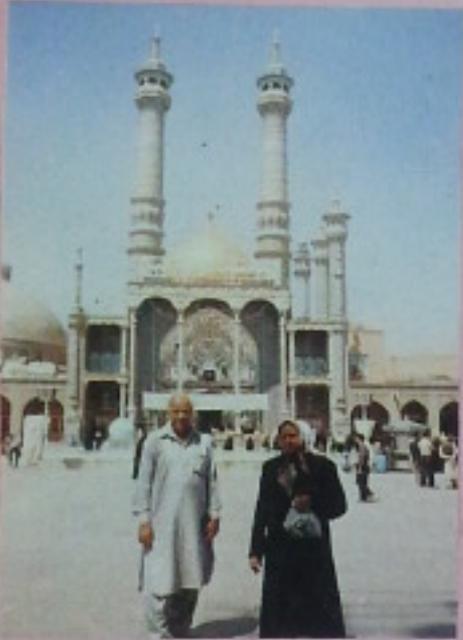
قم، روضہ بی بی معصومہ قم

قم، چہل اختران

تہران، سرنگ بی بی شہربانو
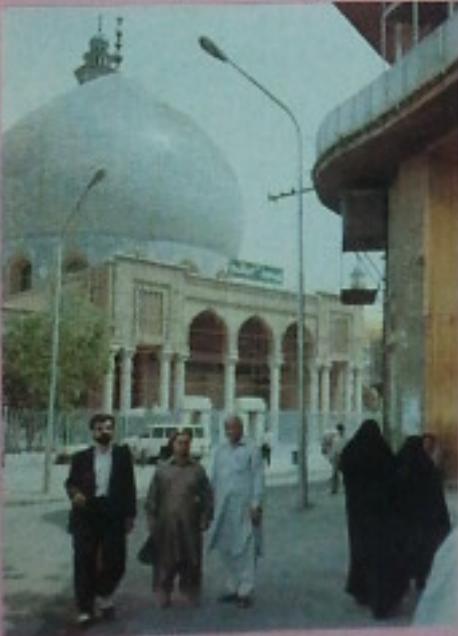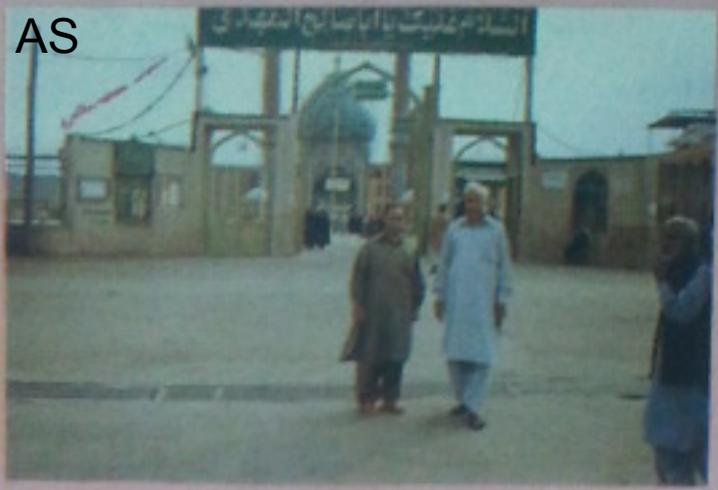
قم، مسجد جمکران

حضرت طاہر بن زین العابدین کا روضہ

قدم شریف، حضرت امام رضا۔
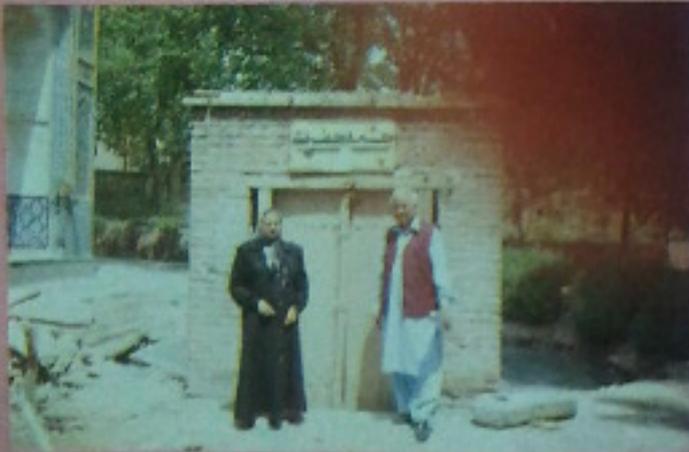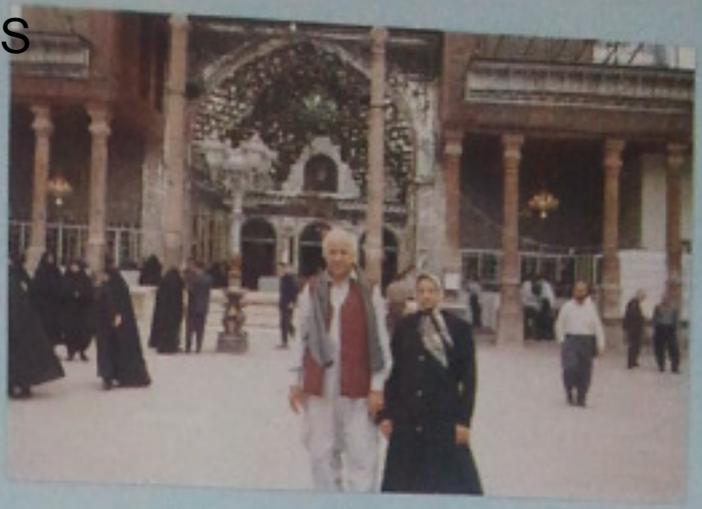
تہران، شاہ عبدالعظیم الحسنی کا روضہ مبارک

فردوسی، مقبرہ مصنف شاہنامہ اسلام

نیشاپور، عمر خیام سے مکالمہ

قدم شریف کے مقام پر ایرانی بچوں کے ساتھ

مشہد شاہراہ پر کھلی جگہ پر واقع ہے۔ عمارت کے سامنے' شاہراہ کے دوسری طرف پاسداران کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ ہیڈ کوارٹر کے عقب میں خشک پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ شہر میں جگہ جگہ سبزہ اور پھولوں کے تختوں کے ساتھ ساتھ درخت نظر آرہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ماضی میں یہ علاقہ خشک' ویران اور بے آب و گیاہ ہوا کرتا تھا۔

زاہدان کا ہوائی اڈا

یکم اپریل کو ساڑھے آٹھ بجے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو گئے اور پھر اگلی منزل کی تیاری شروع کر دی۔ دس بجے زاہدان ایئرپورٹ کو روانہ ہو گئے۔ ایئرپورٹ پر ہمارا قافلہ سب سے پہلے پہنچا چنانچہ ہمیں سب سے پہلے بورڈنگ کارڈ دے دیئے گئے لیکن طیارے میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہماری نشستیں تو دم والے حصہ میں مختص کی گئی ہیں۔ پاکستانیوں کے ساتھ ایرانیوں کا رویہ آج کل انتہائی نامناسب ہے۔ وجہ جو بھی ہو' ہمیں اس کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ اب تو فاصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ زائرین کے ساتھ بھی نامناسب رویہ اپنایا جارہا ہے۔ اس رویہ کے اسباب و علل پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن ہم اس وقت صرف زائر ہیں اور پھر یہ دو ملکوں کے درمیان تعلقات کی بات ہے اس لئے اس موضوع کو سپوتنک میں کبھی خارجہ پالیسی پر لکھتے ہوئے ضرور زیر بحث لائیں گے۔

تہران

ایئر ایران کی ایئربس' زاہدان سے اپنے مقررہ وقت 12.35 پر ہمیں لے کر فضاء میں بلند ہوئی اور ٹھیک دو گھنٹے دس منٹ بعد تہران ایئرپورٹ پر اتر گئی۔ ایئرپورٹ سے لاہور فون کیا۔ ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیں۔ ایئر ایران نے کھانے کا جو تحفہ دیا تھا وہ کھایا۔ پی آئی اے کی ایئربس اور ایران کی ایئربس کے درمیان صفائی اور حسن انتظام کا فرق نمایاں تھا۔ اس طرح کے موازنے میں پاکستانی ادارے روبہ زوال نظر آتے ہیں۔ تہران ایئرپورٹ پر کتابوں کے سٹال دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ خوبصورت اور دیدہ زیب سرورق اور طباعت کے ساتھ نئے موضوعات پر کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ انگریزی میں کوئی چیز نہ مل

سکی۔ تہران کا یہ ہوائی مستقر عظیم الشان اور وسیع و عریض تھا۔ ایک ایک منٹ بعد جہاز آجا رہے تھے۔ ہر کام سلیقے اور قرینے سے ہو رہا تھا۔

ساڑھے چار بجے ٹرالیوں پر اپنا اپنا سامان لے کر باہر نکلے۔ تقریباً تین فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے بس میں بیٹھے۔ میدان آزادی' جناح پوائنٹ سے نکلتے ہوئے اب ہماری منزل ایرانی بارڈر خسروی پوسٹ تھی۔ تہران شہر کا کچھ حصہ گزرتے ہوئے' بس میں بیٹھے بیٹھے دیکھا۔ اس وقت ہم لوگ ٹرانزٹ میں ہیں' واپسی پر انشاء اللہ تفصیل سے دیکھیں گے۔ شہر کا موسم ہمارے مری جیسا محسوس ہوا۔

خسروی

خسروی چیک پوسٹ' ایران عراق سرحد پر' تہران سے 6 سو میل دور ہے۔ ہمارا سفر پانچ بجے شام شروع ہوا۔ راستے میں جگہ جگہ کارخانے' کشادہ سڑکیں' بے پناہ ٹریفک اور روشنیوں کا ایک اژدھام مسلسل نظر آیا۔ تہران سے نکلتے ہوئے ہمارے اردگرد کا یہ منظر تھا۔ شہر کے بارے میں ساتھیوں نے بتایا کہ امن و سکون کا گہوارہ ہے۔ جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں' تیل سستا ہے' حکومت اپنے عوام کی محسوس ہوتی ہے لیکن پورے ایران میں سڑکوں پر بلا تخصیص سخت چیکنگ ہوتی ہے اور پولیس کا کنٹرول ہے۔ ہر مسافر کو اپنے سفر کا جواز اور شناخت پیش کرنا ضروری ہے۔ بظاہر یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور انسانی آزادی سلب کرنے والی بات ہے لیکن اس کے پیچھے غیر قانونی تارکین وطن سے ایران کو محفوظ رکھنے کا مقصد کارفرما ہے۔ ایران کے اردگرد جو سیاسی اور اقتصادی صورت حال پائی جاتی ہے' اس سے متاثرہ افراد کے لئے ایران میں بڑی کشش ہے۔ ظاہر ہے اگر سختی نہ کی جائے تو وہ کچھ ہو گا جس کے تجربے سے پاکستان گزر رہا ہے۔

شاہ کے زمانے اور انقلاب کے بعد کے ایران کی صورت حال' ہمراہیوں کے درمیان موضوع گفتگو رہی اور سفر کا کچھ اندازہ نہ رہا اور بس "اوج" پہنچ گئی۔ اوج' کرمان شاہ سے 125 کلومیٹر پہلے ایک پہاڑی مقام ہے۔ تھوڑی سی آبادی ہے۔ صفائی ستھرائی حسب

معمول بقیہ ایرانی علاقوں جیسی تھی۔ بس میں بیٹھے ہوئے ہمیں باہر کے موسم کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ باہر نکلے تو شدید سردی کی لہریں لپٹتی چلی گئیں۔ اگر پہلے سے انتظام نہ ہوتا تو سردی ہمیں کسی کام کا نہ چھوڑتی۔ پاکستانی گرم شالیں کام آگئیں۔ یہاں ایرانی کھانا' چاول اور روسٹ کھایا' قہوہ پیا اور تازہ دم ہو گئے۔ ایران کی آب و ہوا ہمارے لئے تعجب انگیز تھی۔ یہ بھی پاکستان کی طرح گرم منطقہ میں پایا جاتا ہے لیکن پاکستان کے شمالی علاقوں کی طرح سطح سمندر سے بلند ہے چنانچہ سرد ہے۔

رات کے دس بج رہے تھے۔ یعنی تہران سے اوج پہنچنے میں ہمیں پورے پانچ گھنٹے لگے۔ اوج سے ساڑھے دس بجے روانہ ہوئے اور کرمان شاہ سے دو اڑھائی بجے کے قریب گزرے۔ فجر کی نماز کے وقت خسروی پہنچ گئے۔ نماز سے فارغ ہوئے اور آرام کے لئے بنائے گئے ایک بڑے ہال میں دراز ہو گئے۔ 2 اپریل کو صبح ساڑھے آٹھ بجے امیگریشن اور کسٹمز کے مراحل شروع ہوئے۔

عراق

المنظریہ

ایرانی چیک پوسٹ میں ایک گھنٹہ کے اندر فارغ ہو گئے اور عراق کی چیک پوسٹ المنظریہ میں داخل ہو گئے۔ جاوید زیدی صاحب کی چالیسویں یاترا کے سبب ان کی مؤثر PR کام آرہی تھی۔ دراصل وہ اس تکنیک سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ کیا خوب سودا نقد ہے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔

عراقی امیگریشن اور کسٹمز میں گیارہ بجے تک "دخول" کی مہر ثبت ہو چکی تھی۔ اب عراقی سرحدی حکام نے سارے قافلے کی تواضع کھانے سے کی اور تصویر بھی بنوائی۔ المنظریہ چیک پوسٹ پر بھی غالباً خسروی کی دیکھا دیکھی عراق نے زور شور سے ترقیاتی کام شروع کر رکھا ہے۔ زائرین کو تقریباً تمام تر سہولیات مہیا کی جا رہی ہیں۔ مسافروں کو اپنا سامان اٹھانے کی زحمت سے بھی بچا لیا جاتا ہے۔ تعمیراتی کام کے ضمن میں خوبی یہ ہے کہ

قدیم مشینری سے سلیقے سے کام لیا جا رہا ہے۔ عمارتیں اونچی ہو رہی ہیں۔ سڑکیں ہموار اور کشادہ ہو رہی ہیں۔ کارپیٹنگ ہو رہی ہے۔

عراقی چیک پوسٹ پر ہم سے خصوصی برتاؤ ہوا۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ جاوید زیدی صاحب کی ان سے پرانی شناسائی تھی۔ ایک وجہ اور تھی' کسٹمز کے ایک بڑے افسر نے نہایت رازداری اور دلسوزی سے درخواست کی کہ "میری بیٹی کے لئے خصوصی دعا کیجئے گا' وہ اسکول ٹیچر ہے۔"

ایک باپ کی حیثیت سے میں اس کے جذبات سمجھ رہا تھا۔ میں جیسے تڑپ کر رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ' مولائے کائنات کے صدقہ میں اس کی دلی تمنا پوری کرے۔ آمین! عراقیوں کی ایک بڑی تعداد حضرت علی اور امام حسین علیہ السلام کی عقیدت مند ہے۔

بغداد

عراقی سرحدی چوکی' المنظریہ سے فارغ ہو کر ہمارا قافلہ ایک عراقی بس میں سوار ہوا۔ بس کھلی' آرام دہ اور سبک رفتار تھی۔ روانگی سے پہلے سالار قافلہ نے ایک شخص سے تعارف کرایا کہ یہ ہمارے عراقی گائیڈ ہیں۔ انہیں ہمارے کفیل نے بھیجا ہے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ بس میں سوار ہو گئے اور بغداد کے لئے سفر شروع ہو گیا۔

ہماری بس ایک میدانی علاقہ سے گزر رہی تھی جس میں کہیں کہیں ٹیلے یا مصنوعی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایران کی جانب قدرتی پہاڑی سلسلہ ہے جبکہ ادھر عراق میں میدانی علاقہ ہے۔ اس علاقے میں سابقہ عراق' ایران جنگ کے اثرات ابھی تک نظر آ رہے تھے۔ جنگ کی ابتدا میں عراق نے پیش قدمی کرتے ہوئے ایران کے اندر کرمان شاہ تک تباہی پھیلا دی تھی۔ ہر چیز پر قبضہ کر لیا گیا لیکن کچھ دنوں کے بعد' پانسہ پلٹ گیا اور عراق کے بیس ہزار جنگی قیدی ایران کے ہاتھ آ گئے۔ ایران نے اپنا علاقہ واگزار کرا لیا۔ ایران کا جوابی حملہ بہت شدید تھا جس سے عراق' وسیع تر نقصان سے دوچار ہوا۔

المنظریہ سے بغداد تک کا راستہ بہت پرسکون تھا۔ تھوڑی دیر بعد زرعی علاقہ شروع

ہو گیا۔ کہیں کہیں آبادیاں بھی نظر آنے لگیں۔ صاف ستھرے دیہات' خوش نما ماحول میں صدیوں پرانی تہذیب کے وارث اور امین ہیں۔ ایک بات نمایاں طور پر نظر آئی کہ جہاں بھی آبادی تھی وہاں بجلی کا بھی انتظام تھا۔ پینے کے لئے صاف پانی کی خاطر' نہروں کے کنارے بڑے بڑے فلٹر لگے ہوئے تھے۔ بس کے باہر کا نظارہ کرتے ہوئے میں' خود کلامی میں مصروف تھا' یہ ہے میسو پوٹیمیا' دجلہ اور فرات کا ملک۔ قدیم ترین انسانی آبادی' زراعت اور تہذیب کا خطہ' ہنگامہ خیز تاریخ کا مالک' اس سرزمین پہ متکبر اور خون آشام فاتحین سے لے کر دلوں پر حکومت کرنے والے منکسر المزاج ولیوں اور اماموں کے قدم پڑے ہیں۔

ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد بغداد کے آثار نمودار ہوئے۔ بغداد' قصے کہانیوں کا شہر' الف لیلیٰ کا شہر' علم و ادب کا شہر ہمارے سامنے تھا۔ تاریخ نے اسے کتنی مرتبہ اجڑتے اور بستے دیکھا۔ عالم اسلام کی برگزیدہ شخصیات نے یہاں کیا کیا نقوش چھوڑے۔ دوپہر اڑھائی بجے کے قریب' تقریباً اڑھائی گھنٹے سفر کے بعد ہم شہر بغداد میں داخل ہوئے۔ ماضی کا الف لیلوی شہر ایک جدید یورپی شہر کی صورت میں ہمارے اردگرد تھا۔ خوبصورت عمارتیں کشادہ سڑکیں' دریائے دجلہ کے بے شمار پل' بے تحاشا ٹریفک لیکن نظم و ضبط سے رواں دواں۔ ہر طرح کی ٹرانسپورٹ دس بارہ برس پرانی تھی۔ اہل عراق کا کمال یہی ہے کہ انہوں نے بین الاقوامی پابندیوں میں بھی ہمت نہیں ہاری۔ پرانی گاڑیاں اور مشینری جن کے سپیئر پارٹس ملنا مشکل ہیں' انہیں بھی قابل استعمال بنائے ہوئے ہیں۔ مختلف سڑکوں سے گھومتے ہوئے' مال روڈ لاہور جیسی ایک شاہراہ پر مطعم الجیج میں دوپہر کا کھانا کھایا۔ ایک مقبول ترین مقامی ڈش چلو کباب مہیا کیا گیا۔ ایک بڑی پلیٹ میں سادہ ابلے ہوئے چاول پھیلا کر اوپر بروسٹ کا پیس تکے' شامی کباب یا سیخ کباب رکھے جاتے ہیں۔ ساتھ دہی' سلاد وغیرہ ہوتا ہے۔

اسی علاقے میں کھانے کے بعد دو اڑھائی گھنٹے گزارے اور سہ پہر کو نجف اشرف کے لئے روانہ ہوئے۔ ہائی وے پر پہنچے جو ایک خوبصورت دو رویہ سڑک تھی۔ پولیس

کے انتظام کا اندازہ ہوا۔ بغداد سے نکلتے ہی پہلی چوکی نظر آئی۔ چوکی سڑک کے درمیان واقع تھی اور اس پر مشین گن نصب تھی۔ عراقی فوجی اپنے یونیفارم میں ملبوس چاک و چوبند نظر آئے۔ اندرون ملک اس طرح کے فرائض عراقی فوج کا ایک حصہ "نیشنل گارڈ" سرانجام دیتا ہے۔ انہیں خصوصی تربیت اور جدید اسلحہ میسر ہے۔

پولیس چوکی کے عملہ کو جب بتایا گیا کہ یہ قافلہ پاکستان سے آیا ہے اور زائرین پر مشتمل ہے تو زیادہ سختی نہ کی گئی اور بس کو جانے دیا گیا۔ بغداد سے نجف کا فاصلہ تقریباً تین گھنٹے میں طے ہوا۔ راستے میں دریائے دجلہ اور دریائے فرات دیکھے۔ پانی کی فراوانی ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ زندہ اور بھرپور دریا میں حکومت چاہے تو چھوٹے بحری جہاز چلائے جاسکتے ہیں۔ پانی گہرا اور تیز محسوس ہوا۔ ان کے مقابلے میں پنجاب کے دریا' برساتی نالے قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ہمارے دریا تو صرف بارشوں میں لبریز ہوتے ہیں۔

سرزمین عراق بہت زرخیز ہے۔ کھیتی باڑی کا انتظام معقول نظر آیا چونکہ دیہات میں بھی بجلی ہے چنانچہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن تک عوام کی رسائی ہے۔ ایک بات شدت سے محسوس ہوئی کہ عراق میں زمین سیم و تھور کا شکار ہو رہی ہے۔

عراق میں داخل ہونے کے بعد سوائے کھجور کے درختوں کے کسی اور قسم کے درخت نظر نہ آئے۔ ہر طرف کھجور کے باغات ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی کھجور ساری دنیا میں مشہور ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ کھجور کے علاوہ بھی تو درخت اگائے جاسکتے ہیں جن کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں نے یہ تجربے انتہائی کامیابی سے کئے ہیں۔ عراقی حکام اس طرف کیوں توجہ نہیں دیتے--- وہاں کے ہارٹیکلچر کے لوگ ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

نجف اشرف

نجف اشرف میں داخل ہونے کے بعد پہلا تاثر حیرت و استعجاب کا تھا۔ دراصل میری ذاتی خواہش ہے کہ میں قدیمی و تاریخی مقامات کو اسی حالت میں دیکھ سکوں جو

کتابوں میں محفوظ ہیں۔ کاش اس طرح ممکن ہو کہ دیارِ نبیؐ و علیؑ ویسی ہی صورت میں نظر آسکتے جس میں یہ برگزیدہ ہستیاں شب و روز گزارتی رہی ہیں لیکن وقت نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا ہے۔ دیارِ علیؑ بھی اب ایک جدید شہر میں تبدیل ہو چکا ہے۔ ذہنوں میں جو تصور تھا اسے دھچکہ سا لگا۔ شہر میں سے گزرتے ہوئے ایک بہت بڑا قبرستان نظر آیا۔ گائیڈ نے بتایا کہ یہ بہت قدیم قبرستان ہے۔ اسے وادی سلام کہتے ہیں۔ یہاں لوگ دفن ہونے کی تمنا رکھتے ہیں۔ مومنین وصیت کر جاتے ہیں کہ دور دراز سے انہیں لے جا کر تدفین کے لئے یہاں پہنچایا جائے۔ یہی قبرستان ہے جہاں تھوڑی سی بارش کے بعد لوگ درِ نجف تلاش کرنے کے لئے آجاتے ہیں۔

ہماری رہائش کا انتظام "فندق الامراء" میں تھا۔ یہ ہوٹل روضہ مبارک کے قریب ہی واقع ہے۔

نجف اشرف کے ہوٹل' فندق امراء میں تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر روضہ مبارک حضرت علی علیہ السلام پر حاضری کے لئے چلے گئے۔ مولائے کائنات کا نام تو ہر مومن کے دل کی دھڑکن ہے۔ علیؑ کا ورد تو رزم و بزم میں جاری و ساری رہتا ہے۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ علیؑ کے در پر آئیں اور تاخیر ہو۔ اس دن کے لئے تو دن گنے جاتے تھے۔ روضہ اقدس میں داخل ہوئے۔ ضریح پر نظر پڑی اور عقیدت سے پلکیں بھیگ گئیں۔ خود سپردگی کا لمحہ آگیا۔ مولا کے حضور خود کو پیش کر دیا۔ روئیں روئیں سے ایک ہی فریاد اٹھ رہی تھی--- مولا ہماری حاضری قبول فرمالیجیے۔ مولا اپنے دامن رحمت میں سمیٹ لیجیے۔ مولا حسنین کے صدقے ہم پر نظر کرم ہو جائے۔

دن بھر کی نمازیں اور بساط بھر نوافل پڑھے پھر روضہ کی زیارت کی۔ آپ کی ضریح کے ایک طرف حضرت آدم اور دوسری طرف حضرت نوح علیہ السلام کے مزار ہیں۔ آج شب جمعہ ہے۔ (جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب) خصوصی دعاؤں کی رات ہے۔ خلق خدا کا ہجوم اور عقیدت مندوں کی نیاز مندیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ روضہ کی جالی پکڑ کر لوگ فریاد کناں ہیں۔ ہر کوئی گڑگڑا کر اپنی آرزوئیں بیان کر رہا ہے۔ مرادوں سے

دامن بھر رہا ہے۔ ہم لوگ دیر تک ضریح مبارک کے سامنے بیٹھے مولا سے نسبت پر عجز و انکسار کے ساتھ احساس تفاخر میں ڈوبے رہے۔ علیؑ کی نسبت کس قدر خوش بختی کی بات ہے جس کا علیؑ مولا --- اس کا میں مولا --- ہم علیؑ کے ہیں' نبیؐ کے ہیں' ہمیں اور کیا چاہئے؟

ضریح کے سامنے بیٹھے خیال آیا کہ جس زمانے میں' جس معاشرے میں یہ برگزیدہ ہستیاں موجود تھیں اس زمانے میں کوفہ و دمشق کے لوگ کتنے بدقسمت تھے کہ محسن انسانیت' محسن علم و ادب و فن و حکمت سے دنیا و آخرت حاصل کرنے کی بجائے انہیں اذیتیں دیتے رہے اور کتنے عظیم تھے یہ لوگ کہ قدرت و اختیار رکھتے ہوئے بھی صبر و ایثار اور عفو و درگزر سے کام لیتے رہے۔ ظالموں نے جبر و استبداد کی انتہا کر دی اور مظلوموں نے صبر و رضا کی حدوں کو چھو لیا۔

آج گزرتے ہوئے کوفہ کا وہ بازار بھی دیکھا جہاں اسیران کربلا کو لایا گیا تھا۔

مولا علیؑ ابن ابی طالب کے روضہ اقدس پر نماز فجر کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ آج جمعہ ہے' عقیدت مندوں کا ہجوم زیادہ جوش و خروش کا اظہار کر رہا ہے۔ شہر کی تعمیر بھی کچھ اس انداز میں ہے کہ ہر راستہ سیدھا روضہ اقدس کو جاتا ہے۔ منارہ اذان بہت بلند ہے۔ گنبد مبارک دیدہ زیب اور طلائی ہے۔ شہر میں داخل ہوتے ہوئے بہت دور سے نظر نواز ہو جاتا ہے۔ روضہ مبارک جس خوبصورتی اور ہنرمندی سے تعمیر ہوا ہے اس میں تعمیر و توسیع کرنے والوں کی عقیدت ذرہ ذرہ سے ٹپکتی ہے۔ مولا کے در کی فضائیں روح میں شادابی اتارتی ہیں۔ صبح کا وقت' مولا کا در اور روح کی سرشاری نے ایک عالم کیف میں ڈبو رکھا تھا۔

اس روضہ اقدس کی تاریخ بھی اسلام کی تاریخ کا حصہ ہے۔ کیا کیا دور آئے' دشمنان اہل بیت اور منکرین خدا و رسول نے عقیدتوں کے اس مرکز کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا کیا کچھ نہ کیا لیکن حق و صداقت کو ہمیشہ باطل پر غلبہ حاصل ہوا۔ صاحبان اقتدار و جبروت نے اس مقام انوار کی حرمت و تقدیس کو باطل قرار دینے کے لئے کیا کیا جتن نہ کئے لیکن انہیں مسلسل منہ کی کھانا پڑی۔

ایک یورپی مؤرخ کا کہنا ہے کہ جب نادر شاہ نے عراق پر دوسری مرتبہ یلغار کی تو بغداد کا محاصرہ کرنے کے بعد کربلا، کاظمین اور نجف اشرف کی زیارات کو چل پڑا۔ نجف اشرف پہنچا تو اس نے سنا کہ شہر علیؑ میں کبھی کوئی کتا داخل ہونے کی جسارت نہیں کرتا۔ نادر کا کردار اہل بیت کے حوالہ سے تاریخ میں متنازعہ ہے۔ ایک طرف وہ امام رضاؑ کے مزار مبارک، کربلا معلٰی اور نجف اشرف کے روضوں کے لئے بیش قیمت عطیات اور توسیع و تزئین کے لئے بڑی بڑی رقوم نذر کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے تو دوسری طرف عزاداری اور مرثیہ خوانی پر پابندیاں عائد کرتا نظر آتا ہے۔ خیر یہ ایک الگ بحث ہے۔ جب نادر شاہ نجف اشرف کے دروازے پر پہنچا تو اس نے مقامی روایات کی تصدیق کے لئے اپنے کتے کو ہمراہ رکھا اور لبادے میں شراب کی بوتل چھپالی۔ نادر کو حیرت ہوئی کہ کتا شہر کے دروازے پر اڑ گیا۔ بہت کوشش کی گئی لیکن کتے نے شہر میں اپنا نجس بدن داخل کرنے سے انکار کر دیا۔ اسے بہت زدو کوب کیا گیا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس کھینچا تانی پر نادر نے طیش میں آکر تلوار نکالی اور کتے کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ اب شہر میں داخل ہو کر شراب کی بوتل نکالی تو وہ سرکہ بن چکی تھی۔ چنانچہ نادر، اماموں کی حقانیت پر ایمان لے آیا۔

(ڈاکٹر ڈونالڈسن کی کتاب "اے ہسٹری آف اسلام ان پرشیا اینڈ عراق" مطبوعہ لندن 1933ء، صفحہ 62، مذکورہ کتاب دی شیعہ ریلیجن کے حوالے سے لکھی گئی۔)

عباسی دور کی ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید شکار کھیلتے ہوئے اس علاقے میں جا پہنچا جہاں مولائے کائنات مدفون ہیں۔ ان دنوں مرقد مبارک پر کوئی تعمیر نہیں تھی، بلکہ مدفن کے بارے میں بھی کچھ گنے چنے لوگ آگاہ تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید شکاری کتوں کے ساتھ ہرن کے تعاقب میں تھا۔ ہرن نے جب جان بچتی ہوئی نہ دیکھی تو مرقد کے احاطہ میں جا چھپا۔ پیچھا کرنے والے کتے رک گئے۔ ہارون اور اس کے شکاریوں نے لاکھ چاہا کہ کتے ہرن کے تعاقب میں جائیں اور اسے وہاں سے نکال لائیں لیکن وہ آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ دریں اثنا ہرن نے خطرہ ٹل جانے کا گمان کرتے ہوئے

واپسی کی راہ لی۔ کتوں نے اسے دیکھا تو پھر جھپٹ پڑے۔ ایک بار پھر ہرن جائے امان کو پلٹ گیا اور کتے بھی ایک بار پھر رک گئے۔ تعاقب کے اس شعوری گریز پر ہارون الرشید بہت حیران ہوا وہ سمجھ گیا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔ مقامی لوگوں سے حقیقت جاننے کے لئے پوچھا گیا۔ کسی نے جان کی امان پا کر بتا دیا کہ یہ مرقد' مولائے کائنات ہے اور دنیا کے ہر ذی روح کے لئے جائے امان ہے۔ ہارون نے سلام عقیدت پیش کیا اور وہاں روضہ کی تعمیر کا حکم دے دیا۔

حضرت علیؑ کی ضریح مبارک کے سامنے بیٹھے' ہم یہ سب کچھ سوچ رہے تھے اور اپنی قسمت پر نازاں تھے۔ مولا سے یہ نسبت ہر کسی کو مقدور نہیں۔ بیٹھے بیٹھے ہمیں آج کی صورت حال کا خیال آیا۔ عراق کے دیگر علاقوں کی طرح نجف اشرف میں بھی صدام حسین کی تصاویر بازاروں اور دکانوں کے باہر آویزاں ہیں۔ یہ بات دوکانوں تک ہی محدود و موقوف نہیں' ہر محلہ' گلی' عمارت پر صدر کی تصاویر نصب ہیں۔ شاہراؤں پر بڑے بڑے پورٹریٹ ایستادہ ہیں۔ آج جمعہ ہے لیکن اجتماع کی اجازت نہیں۔ جگہ جگہ بندوق بردار' پولیس کے سپاہی موجود ہیں۔ نشان زدہ لوگوں کو بھرے بازار میں گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ یہ عمل بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسے ہمارے ہاں پولیس مقابلہ ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہماری پولیس "مقابلے" کے لئے کسی ویران جگہ کا انتخاب کرتی ہے جبکہ عراقی پولیس سرعام عبرت کا سامان پیدا کرتی ہے اور پھر بدقسمت لاش کئی کئی روز تک بے گور و کفن سڑک پر پڑی رہتی ہے تاکہ دیکھنے والوں پر دہشت طاری ہو جائے اور حکومت کا دبدبہ قائم رہے شاید اس علاقے کے عوام کو اولاد نبیؐ کے ساتھ اپنے ظالمانہ سلوک کی سزا مل رہی ہے۔ یہ لوگ صدیوں سے خوف و دہشت کا نشانہ بنتے چلے آرہے ہیں۔

مہنگائی کا یہ عالم ہے کہ ہم نے دو کپ قہوہ پیا جس کی قیمت 500 دینار ادا کئے جو 500 (سرکاری ایکسچینج) روپے پاکستانی کے برابر ادا کی۔ کھانے پینے کی اشیاء بہت کم دستیاب ہیں اور بہت مہنگی ہیں۔ ایک روسٹ مرغ کی قیمت 1500 روپے پاکستانی ہے۔ جوتا رکھنے کا معاوضہ 50 روپے ہے ویسے قانونی طور پر کفش بردار' زائرین سے کوئی اجرت لینے کے

مجاز نہیں۔ عراق سیکرٹ سروس کے دو آدمی سائے کی طرح ہمارے ساتھ چپکے ہوئے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ ہم لوگ محض زائرین ہیں' لیکن وہ اپنے فرائض سے مجبور ہیں۔ جاوید زیدی اپنے تمام تر تعلقات کے باوجود "مشکوک" ہیں۔ جو لوگ اپنوں پر بھروسہ نہ کرتے ہوں وہ جاوید زیدی یا کسی اور کو قابل بھروسہ کیسے سمجھیں گے۔

جب سے علامہ ہاری کو (چند سال قبل) کربلا میں شہید کیا گیا ہے' کربلا' نجف اور کاظمین وغیرہ میں درس و تدریس کے مراکز عملاً بند کر دیئے گئے ہیں۔ کتب خانے بند ہیں' لائبریریاں مقفل ہیں۔ نجف میں انگریزی تو کیا' کوئی عربی اخبار یا رسالہ بھی نظر نہیں آتا۔ آج دو بجے کے بعد جب زیارات کے لئے نکلے تو پتہ چلا کہ عراق میں گھڑیاں مزید ایک گھنٹہ پیچھے کردی گئی ہیں۔ یہاں سال میں دو مرتبہ گھڑیاں آگے پیچھے ہوتی ہیں۔ قومی مفاد تو جو ہو گا سو ہو گا' چلئے بیکار مباش کچھ کیا کر کا معاملہ تو اپنی جگہ موجود ہے۔

قبرستان' وادی سلام

زیارات کے سلسلہ میں سب سے پہلے قدیم ترین اور عظیم ترین قبرستان دارالسلام پہنچے۔ تاحد نگاہ' چاروں طرف قبریں ہی قبریں ہیں۔ دو منزلہ اور سہ منزلہ قبریں بھی عام ہیں۔ اوسطاً ہر منٹ کے بعد ایک جنازہ حرم' یعنی حضرت علی ابن ابی طالب کی ضریح مبارک کا تین بار طواف کرکے یہاں دفنانے کے لئے لایا جاتا ہے۔ دارالسلام میں حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ یہاں دو رکعت نماز زیارت اور دعا سے فارغ ہو کر دارالسلام ہی میں قیام امام زین العابدین علیہ السلام مقام امام جعفر صادق اور مقام صاحب الزمان بھی اسی قبرستان میں واقع ہیں۔ پھر حضرت علی علیہ السلام کے خاص صحابی حضرت کمیل بن زیاد کے مزار پر حاضری دی اور نوافل پڑھے۔ دعائے کمیل انہی صحابی سے موسوم ہے۔ حضرت علی نے یہ دعا خاص طور پر انہیں سنائی تھی اور فرمایا تھا کہ جو کوئی دعائے کمیل پڑھے گا یا سنے گا وہ ہر قسم کی بلیات سے محفوظ رہے گا۔

حضرت کمیل بن زیاد

جناب کمیل بن زیاد' حضرت علی علیہ السلام کے مقرب خاص اور عظیم ترین صحابی تھے۔ آپ کو جناب امیر علیہ السلام کا رازداں کہا جاتا ہے۔ آپ قبیلہ نخع کے سردار اور کوفہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ ہر جنگ اور جہاد میں شریک رہے۔ آپ نے 90 برس کی عمر پائی۔ عبدالملک بن مروان کے دور خلافت میں جب حجاج ثقفی عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس کی کوشش تھی کہ آپ کو قتل کر دے لیکن آپ حکومت کی گرفت میں نہ آسکے اور روپوش ہو گئے۔ جب حجاج ان کو قابو میں نہ لاسکا تو بیت المال سے جناب کمیل کی قوم اور خانوادہ کو ملنے والا وظیفہ بند کر دیا۔ جب یہ خبر جناب کمیل کو پہنچی تو فرمایا کہ میری زندگی اب زیادہ نہیں رہی۔ اس کی وجہ سے ایک گروہ کی روزی کے منقطع ہونے کا سبب کیوں بنوں' چنانچہ خود کو حجاج کے حوالے کر دیا۔ وہ ملعون خوش ہو کر کہنے لگا میں تو تیری تلاش میں تھا تاکہ تجھے کیفر کردار تک پہنچاؤں۔

حضرت کمیل نے کہا کہ جو تیرا دل چاہے کرلے کیونکہ میری زندگی کے بارے میں میرے مولا نے خبر کر دی تھی کہ تو میرا قاتل ہو گا۔ حجاج نے کہا' تمہارا اشمار قاتلان عثمان میں ہوتا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ آپ کا سر قلم کر دیا جائے۔ آپ کو بعد از قتل مسجد حنانہ کی پشت پر مقام ثوبہ میں دفن کیا گیا۔

مسجد حنانہ

دارالسلام سے راس الحسینؑ' مسجد حنانہ پہنچے۔ اس جگہ حضرت امام حسین کا سر مبارک ایک رات رکھا گیا تھا۔ حضرت زینب نے وہ رات جاگ کر گزاری تھی۔ احترام میں اس مقام کی صدر دیواریں خم کھائے ہوئے ہیں۔ جب کبھی ان کا خم نکالنے کے لئے دوبارہ تعمیر کی کوشش کی گئی' کامیابی نہیں ہو سکی۔ یہ دیواریں پھر سے خمیدہ ہو جاتی ہیں۔

کوفہ اور نجف اشرف کے درمیان واقع اس مسجد کے بارے میں دیگر روایات کے مطابق اس مقام پر جسد مطہر امیرالمومنین علیہ السلام کو کوفہ سے بغرض تدفین نجف لاتے

ہوئے کچھ دیر کے لئے رکھا گیا۔ اس وقت یہاں ایک سنگ میل تھا جو احترام امام میں ختم ہو گیا۔ بعد میں اسی جگہ مسجد تعمیر کی گئی۔ بعض روایات ظاہر کرتی ہیں کہ یہاں جسم اقدس امام مظلوم کے کچھ اجزاء مدفون ہیں۔

یہاں سے ہم لوگ حضرت صفی صفہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ صدر دروازے پر بہت سے مقامی لوگ دو رویہ کھڑے تھے۔ لاؤڈ سپیکر پر تلاوت ہو رہی تھی۔ لوگ آتے میزبان استقبال کرتا' مہمان اندر جاتا' ایک کپ چائے (قہوہ) پیتا اور چند منٹ بعد باہر کھڑے لوگوں سے الوداعی ملاقات کرتا (خالص عرب انداز میں گال چوم کر) قطاروں میں کھڑے لوگوں کو ہاتھ ہلا کر سلام کرتے ہوئے رخصت ہو جاتا۔ میں یہ منظر دیکھنے میں محو تھا۔ ایک تصویر بھی بنائی۔ میں بیتاب تھا کہ معلوم کروں یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ ہمارے ساتھ موجود ایجنسیوں کے آدمی ہمیں مقبرے کی پشت والے گیٹ سے اندر لے جانا چاہتے تھے ان سے کچھ پوچھنا بھی لاحاصل تھا۔ جاوید زیدی سے استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ چہلم کی تقریب ہے۔ موجودہ قوانین کے مطابق موت کی تقریب پر بھی اجتماع نہیں ہو سکتا چنانچہ رسمی کارروائی خاموشی سے سرانجام پا رہی ہے۔ کوئی تقریر یا گفتگو نہیں ہو سکتی۔ صرف تلاوت کی اجازت ہے۔ نماز باجماعت نہیں ہو سکتی۔ مساجد آٹھ بجے کے بعد بند کر دی جاتی ہیں۔

مرقد حضرت صفی الصفا الیمنی

ہم لوگ پچھلے دروازے سے تہ خانہ میں حضرت صفی صفہ یمنی کے مرقد پر پہنچے۔ زیارت پڑھی۔ وہاں کچھ قلمی تصاویر لگی ہوئی ہیں۔ ان کی تصویر بنائی۔ روایت ہے کہ جب حضرت صفی صفہ یمنی انتقال کرنے لگے تو اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ مجھے مرنے کے بعد نجف اشرف لے جانا وہاں ایک مرد رجل تمہیں ملے گا' وہی میری تدفین کرے گا چنانچہ جب وہ لوگ اونٹوں پر اپنے والد کی لاش لے کر یہاں پہنچے تو انہیں جابر بن عبداللہ انصاری ملے۔ انہوں نے کہا کہ میں ہی وہ مرد رجل ہوں جس کی بابت تمہارے باپ نے

وصیت کی تھی۔ آپ ضعیف اور نابینا ہو چکے تھے لیکن اپنے ہاتھوں سے قبر تیار کی اور حضرت صفی صفہ کو دفنایا گیا۔ تہ خانے میں قبر اور اس کی چار دیواری اور چھت کو بڑے سلیقے سے محفوظ کر لیا گیا ہے۔ پرانے زمانے کے ڈھانچے کا فوراً اندازہ ہو جاتا ہے۔ چہلم کی تقریب کی بدولت ہمیں تہ خانے میں زیارت کا موقع مل گیا۔

مسجد سہلہ

مسجد سہلہ بھی کوفہ شہر میں ہے۔ اس مسجد میں چھ مصلے ہیں جہاں دو رکعت نماز فی مصلہ پڑھی جاتی ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر ہے' حضرت داؤد علیہ السلام بھی یہاں رہا کرتے تھے۔ جناب خضر کا مسکن بھی یہی ہے۔ یہیں جناب ادریس خیاطی کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے یہاں نمازیں نہ پڑھی ہوں۔ روایت ہے کہ جو شخص یہاں دو رکعت نماز پڑھے' اس کی عمر میں دو سال کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس مسجد میں رہنا ایسا ہی ہے جیسے خیمہ رسالت مآب میں قیام کرنا ہے۔ مسجد میں موجود چھ مصلوں پر ہم نے مغربین باجماعت ادا کی۔ بہت ہی لطف آیا' اللہ سب کو نصیب کرے۔

مسجد کوفہ

4 اپریل 1998ء' آج صبح چار بجے حسب پروگرام مسجد کوفہ کے لئے روانہ ہوئے' کوفہ نجف سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ یہ اب "جڑواں شہر" بنتے جا رہے ہیں لیکن دونوں کے درمیان بعد المشرقین ہے۔ ایک محبان اہل بیت کا شہر ہے تو دوسرا (کوفہ) دشمنان اہل بیت کا۔ کربلائے معلی سے کوفہ کا فاصلہ ستر کلومیٹر کے قریب ہے۔ پرانے کوفہ کے صرف نشانات اور کھنڈر ہی پائے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنی ظاہری حکومت و خلافت میں اسے مملکت اسلامیہ کا دارالخلافہ بنایا تھا۔ کوفہ کی بنیاد فرات اور حیرہ کے بیچ 14 ہجری میں رکھی گئی۔ قادسیہ اور دوسرے محاذوں پر ایرانیوں کے مقابلہ میں فتوحات کے بعد مسلمانوں کی فوج کو عراق' مدائن کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ مسلمان سپہ سالار سعد بن ابی وقاص کی ہدایت پر مذکورہ مقام کا انتخاب کیا اور نیا شہر آباد کیا گیا۔ تاریخ سے دلچسپی رکھنے

والوں کو علم ہو گا کہ انہیں سعد بن ابی وقاص کا فرزند عمر بن سعد' کربلا میں یزید کی فوج کا کمانڈر تھا۔ کوفہ کی وجہ تسمیہ' اس علاقے کی حالت تھی۔ عربی زبان میں کوفہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ریت اور سنگریزے ہوں۔ شہر آباد ہونے سے پہلے یہاں کی کیفیت ایسی ہی تھی۔

مسجد کوفہ عظیم الشان ہے۔ اس میں 14 مصلے ہیں۔ یہاں وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان برآمد ہوا تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں امیر المومنین حضرت علی نماز باجماعت پڑھایا کرتے تھے۔ مسجد کی پشت پر واقع اپنے گھر بیت الشرف سے تشریف لاتے اور مسجد کے منبر کے ساتھ واقع کھڑکی سے اندر داخل ہوتے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ کو ابن ملجم نے ضربت لگائی تھی۔ یہ چار مساجد میں سے ہے جہاں مسافر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ نماز' قصر پڑھے یا مکمل۔ کہتے ہیں یہاں ایک فریضہ نماز کا ثواب ایک حج کے برابر ہے۔

روایت ہے کہ کوئی عبد صالح اور پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے مسجد کوفہ میں نماز نہ پڑھی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج کی رات تشریف لے جارہے تھے تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ کیا آپ کو علم ہے کہ آپ کہاں ہیں؟ آپ اس وقت کوفہ کی مسجد کے مقابل جارہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرو کہ میں کچھ دیر توقف کروں اور یہاں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ جبرئیل علیہ السلام نے اذن الٰہی طلب کیا۔ باری تعالیٰ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں اترے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

مسجد کوفہ کے حوالے سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس کی فضیلت کا حد و شمار نہیں۔ یہاں پہلے چودہ ستون ہوا کرتے تھے جو انبیاء کرام اور اماموں سے منسوب ہیں۔ یہاں دو دو رکعت نماز سنت ہے۔ اس مسجد کا ایک دروازہ سفیر امام حسین حضرت مسلم بن عقیل کے روضہ کے صحن کی طرف کھلتا ہے۔ زیارت کے بعد ہم اس صدر دروازے میں داخل ہوئے جس پر برگزیدہ ہستیوں کے سر لٹکائے جاتے رہے ہیں۔

مسجد کا ڈھانچہ پرانا ہے البتہ اس دروازے کی تعمیر نئی لگتی ہے۔ مذکورہ چودہ ستونوں کے علاوہ پرانی مسجد کوفہ بھی نئی صورت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ ترمیم و تبدیلی ضرور کی گئی ہے لیکن توسیع نہیں کی گئی یوں رقبہ اتنا ہی ہے۔ نیا منبر سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ پوری مسجد میں "خدام" کی فوج ظفر موج ہے۔ عراق میں تمام زیارات اور مساجد حکومت کی وزارت مذہبی امور کے کنٹرول میں ہیں لیکن یہ خدام مسجد کوفہ میں اتنی ڈھٹائی سے بھیک مانگتے ہیں کہ بعض اوقات بدتمیزی پر اتر آتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے بخشش لینا منع ہے تو پھر اس طرح دیدہ دلیری سے بھیک مانگنا پولیس اور خفیہ والوں کی ملی بھگت کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ لگتا ہے یہ لوگ خدام سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں۔

حضرت مختار ثقفی اور حضرت مسلم بن عقیل کے مزار

مسجد کوفہ کے احاطہ میں مختار کا قید خانہ ہوا کرتا تھا جو اب ختم ہو چکا ہے۔ وہاں اب کوئی سرکاری دفتر قائم ہے۔ حضرت مسلم بن عقیل کا مرقد شاندار ہے۔ بڑی تعداد میں لوگ اس کی زیارت کے لئے آ رہے تھے اور خوب ہجوم تھا۔ اس احاطے کے دوسرے حصہ میں حضرت مختار ثقفی کا مزار ہے لیکن لوگوں کو حضرت مختار کی شخصیت اور عظمت کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ موجودہ علمائے کرام بھی ان کا ذکر دبے لفظوں میں کرتے ہیں۔ دراصل بنی امیہ کے دور اقتدار میں تاریخ کو جس قدر مسخ کیا گیا وہ ان کی ضرورت تھی لیکن مقام افسوس ہے کہ ہمارے اہل قلم بھی متاثر ہو گئے چنانچہ تاریخ اسلام کے ایک اہم کردار اور عظیم الشان شخصیت کو اس کا جائز حق نہیں دیا گیا۔ حضرت مختار ثقفی نے محبت اہل بیت میں سرشار ہو کر میدان کربلا میں شرکت کرنے والے دشمنان اہل بیت کی کثیر تعداد کو قتل کیا اور اسی مقصد میں اپنی جان سے گزر گئے۔ اسی مرد جری نے ابن زیاد اور ابن سعد کے سر حضرت امام زین العابدین کی خدمت میں بھیج کر ان کا دل اس طرح ٹھنڈا کیا کہ انہوں نے بیبیوں کو سوگ ختم کر کے سات سال بعد سر میں تیل ڈالنے، آنکھوں میں سرمہ لگانے اور مناسب کپڑے تبدیل کرنے کا حکم دے کر 9 ربیع

الاول کو یوم عید قرار دیا۔

حضرت مختار نے خون حسینؑ کا بدلہ نہیں لیا تھا کہ اس خون مطہر کا بدلہ عام انسانی جانوں سے ناممکن ہے۔ انہوں نے تو صرف ان شرکاء کو جو آپ کی دسترس میں آگئے تھے' ان کے کردار کا عملی انتقام لیا تھا۔ حضرت مختار کی مغفرت کے لئے دو نفل پڑھ کر ہم واپس مسجد کوفہ آگئے۔ مسجد کوفہ میرے ذہن میں بار بار وہ واقعات تازہ کر رہی تھی جو تاریخ کے صفحات نے قیامت تک کے لئے محفوظ کر لئے ہیں۔ خلیفہ وقت کی حیثیت سے حضرت علیؑ نے یہاں جو شب و روز گزارے' تاریخ ساز فیصلے کئے۔ پھر ان پر جان لیوا حملہ' مجرم کو پانی پلانے کا حکم' یہ سب منظر میری چشم تصور بار بار دیکھ رہی تھی۔ پھر حالات بدلے' دشمنان اہل بیت نے چن چن کر قتل و غارت گری کی۔ کیا کیا اندوہناک واقعات اس قطعہ ارضی نے دیکھے۔

بیت الشرف

مسجد کوفہ میں ہمارے قافلے نے گرم گرم روٹی کے ساتھ ملائی کا ناشتہ کیا' بہت لطف آیا۔ واپسی مشرقی دروازے سے ہوئی۔ مسجد کوفہ کی زیارات پر ساڑھے تین گھنٹے صرف ہوئے۔ روضہ حضرت ہانی بن عروہ کے مزار پر حاضری دی۔ نوافل پڑھے اور پھر بیت الشرف' حضرت علیؑ کی رہائش گاہ پہنچے۔ یہ مسجد کوفہ کے عقب میں چند قدم کے فاصلہ پر ہے۔ مولا علیؑ کا یہ گھر آج بھی حیرت انگیز طور پر اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ گھر کا ایک صدر دروازہ ہے جس سے مردانہ حصہ میں داخل ہو کر آپ دائیں جانب کمرہ عدالت اور کمرہ مطالعہ امام حسنؑ و امام حسینؑ میں اور پھر بائیں جانب سے ایک پتلی راہداری سے ہوتے ہوئے زنانہ حصہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں ہم نے مجلس عزا منعقد کی کہ حضرت علیؑ کے گھر کے علاوہ اور کون سی جگہ محفوظ ہو سکتی تھی۔ سرکاری طور پر مجلس کی اجازت نہیں لیکن ہمیں تو سرکار مرتضوی سے اجازت حاصل تھی۔ یہاں پر چائے بنا کر تبرکاً پی گئی۔ چند تصاویر بنائیں' باہر آئے تو ایک عجوبہ دیکھا۔ بیت الامراء یعنی بیت

معاویہ کا عبرت انگیز کھنڈر دیکھا۔ یہ جوہڑ کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ بیت الشرف اور اس کے درمیان ایک دس فٹ چوڑی فصیل سی موجود ہے۔ یہاں سارے نجف کا گندا پانی آکر جمع ہوتا رہتا ہے۔ لوگ خود بھی آکر گندگی پھینکتے رہتے ہیں۔ یہ محل کسی زمانے میں بہت عالیشان رہا ہو گا لیکن اس کے مکینوں کی خون آشامیوں کے سبب مردود ٹھہرا۔ اس کی ایک طویل تاریخ ہے۔ نماز ظہر اور عصر، حرم میں ادا کیں۔ زیارت ضریح و نفل وغیرہ سے فارغ ہو کر واپس ہوٹل آئے اور کچھ دیر آرام کیا۔

حافظ بشیر نجفی سے ملاقات

جاوید زیدی کی معیت میں آقائے خوئی کے جانشین، آیت اللہ حافظ بشیر حسین نجفی مدظلہ سے ملاقات کے لئے پرانے نجف پہنچے۔ ان سے ملکر بہت خوشی ہوئی۔ آں جناب 1965ء کے اوائل میں عراق (نجف) منتقل ہو گئے وہ پہلے پاکستانی ہیں جو اس منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ سلجھے ہوئے ذہن کے مالک ہیں۔ گفتگو سے روشن خیالی جھلکتی ہے۔ انہوں نے اپنی چند تصانیف (عربی) تحفتاً عنایت فرمائیں۔ ایک دانہ در نجف بھی عطا کیا۔ قہوہ پیا، تھوڑی دیر گفتگو کی اور واپس حرم آگئے۔ حرم علیؑ میں نماز مغربین ادا کی، طواف ضریح کیا اور نو بجے کے قریب فندق الامراء پہنچے۔

روضہ علیؑ کے ملحقات

حضرت علیؑ کا روضہ آج جس حالت میں ہے وہ دس بارہ مرتبہ تزئین و آرائش کے مراحل سے گزر کر یہاں پہنچا ہے۔ 1985ء کے بعد حکومت عراق نے یہاں اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔ روضہ کے عقب میں آقائے خوئی کا دارالعلوم، مدرسہ خلیلی، مدرسہ یزدی صغیراں، مدرسہ گورجردی صغیراں دارالعلوم اور چند مساجد مسمار کرکے کھلا میدان بنا دیا۔ اگر امریکہ عراق جنگ نہ چھڑ جاتی تو یہاں اب تک اونچی اونچی عمارتیں بن چکی ہوتیں۔ پرانا نجف تو صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہوتا اور آج ہم صرف تصور ہی کرتے رہتے کہ پرانا نجف کیسا تھا۔ اب ایک طرف تو پرانا نجف ہے لیکن دوسری

طرف بڑی بڑی سڑکیں' عمارتیں' مارکیٹیں اور ہوٹل ایستادہ ہیں۔ نجف اشرف کا جو مقام ہے اس کو تو کوئی خطرہ نہیں لیکن خود شیعہ علماء کرام کی آپس کی رنجشوں نے حوزہ علمی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ ذخیرہ علمی کی تباہی' مدرسوں کی بندش اور اس طرح کے دیگر ناخوشگوار اقدامات میں صدام حسین کی دہشت سے زیادہ علماء کی نااتفاقی کا عمل دخل ہے۔

5 اپریل 1998ء کو صبح پانچ بجے حضرت علیؑ کے روضہ کے لئے ہوٹل سے نکلا۔ امید سی تھی کہ نماز فجر باجماعت مل جائے گی۔ ایسا ہی ہوا اور خوش نصیبی سے ضریح کے قریب پیش امام کے ساتھ جگہ مل گئی۔ بہت دھکے کھائے لیکن مولا سے درخواست کی کہ نماز یہاں ادا کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ پانچ بج کر چالیس منٹ پر باجماعت نماز پڑھی۔ نفل پہلے ہی ادا کر چکا تھا' بے پناہ ہجوم تھا۔ دکھی دل کے ساتھ مولا کو الوداع کہا۔ بار بار دل مجبور کر رہا تھا کہ رک جاؤ۔ کیا کر رہے ہو' لوگ تو جوق در جوق چلے آ رہے ہیں اور تم صبح ہی صبح واپس جا رہے ہو' الوداع کہہ رہے ہو لیکن مجبوری تھی۔ آج صبح قافلہ کربلا جا رہا تھا۔ وہاں چار روز کا قیام ہو گا۔

نجف سے کربلا کا راستہ 80 کلومیٹر طویل ہے لیکن راستے میں دیگر زیارتیں بھی ہیں اس لئے توقع ہے کہ انشاء اللہ دو تین بجے تک وہاں پہنچ جائیں گے۔

در نجف

نجف اشرف سے روانہ ہوئے تو آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بارش کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ نجف میں بارش شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ لوگ بڑی تعداد میں قدیم قبرستان' دارالسلام میں جمع ہونے لگے ہیں۔ دریافت کیا تو پتہ چلا کہ اگر بارش ہو گئی تو قبرستان سے بڑی تعداد میں در نجف لوگوں کو مل جائیں گے۔ مجھے پتھروں کا ذاتی طور پر کوئی شوق نہیں چنانچہ ان کی شناخت تو مجھے بالکل نہیں ہے۔ در نجف کا ذکر بہت سنا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کے زمانے میں ان کی قوم نے نافرمانی کی۔ حضرت نوحؑ کی اولاد نے بھی باپ کی بات نہ مانی اور پہاڑ پر چڑھ گئی۔ ان کا خیال تھا کہ جس سیلاب سے ڈرایا

جا رہا ہے وہ ان تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس زمانے میں "جف" اس پہاڑ کا نام تھا اور آبادی کو "فی" کہتے تھے۔ نبی نے اللہ سے کہا کہ کیا یہ لوگ پہاڑ کی وجہ سے تیرے عذاب سے بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس پر پناہ لینے والے غرق ہو گئے۔

در نجف کی بہت سی خاصیتیں بتائی جاتی ہیں۔ پتھروں سے شغف رکھنے والے ان کے بارے میں حیرت انگیز باتیں بتاتے ہیں۔ اصلی اور نقلی کے حوالے سے ماہرین سے بات ہوئی اور کچھ کام کی باتیں معلوم ہوئیں چنانچہ نجف اشرف میں گھوم پھر کر در نجف کے چند دانے خریدے۔ علم رکھنے والوں نے ان کو اصلی قرار دیا۔

حضرت ذوالکفل

ابھی بارش تو نہ ہوئی لیکن موسم جیسے بھیگ گیا تھا۔ بھیگے بھیگے موسم میں بوجھل دل کے ساتھ صبح دس بجے نجف کو الوداع کہا۔ تقریباً چالیس کلومیٹر کی مسافت کے بعد اللہ کے ایک نبی حضرت ذوالکفلؑ کے چھوٹے سے شہر میں پہنچے۔ یہاں میونسپل کمیٹی قائم ہے۔ ایک قدیم طرز تعمیر کا چھتہ (ڈھکا) ہوا بازار سامنے آیا جس میں سے گزر کر ہم لوگ انتہائی خستہ و قدیم عمارت' بلکہ کھنڈر میں داخل ہوئے۔ مذکورہ نبی اور ان کے چار صحابیوں کی قبریں اور ان کی چار دیواری کچھ بہتر حالت میں تھی ورنہ حجرے وغیرہ باقاعدہ کھنڈر بن چکے تھے۔ یہاں بھی زائرین بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ اس پورے علاقے کی معیشت کا انحصار زراعت پر ہے' زمین زرخیز ہے' پانی وافر ہے۔ دریائے فرات اور دریائے دجلہ کا سنگم کچھ آگے جا کر شط العرب میں واقع ہے۔ میلوں تک نہروں اور دریا کے ساتھ ساتھ زمین سیم و تھور کی نذر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جگہ جگہ کھجوروں کے باغات ہیں اور جیسے میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آج کل کھجور کے پھل کا موسم نہیں اس لئے کسی درخت کے ساتھ کوئی خوشہ نظر نہ آیا۔

حضرت زید بن شہید

روضوں اور مقبروں پر چھوٹے چھوٹے بچے بھی بڑوں کے ہمراہ بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ یہ بہت تکلیف دہ منظر ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک تو تذلیل انسانی کا سبب ہوتے ہیں۔ نبی ذوالکفل سے دس پندرہ منٹ کی مسافت پر حضرت زید بن شہید ابن سجاد (حضرت امام زین العابدینؑ بیمار کربلا) کا مقبرہ زیر تعمیر ہے۔ کافی حد تک کام ہو چکا ہے۔ بقیہ کام تیزی سے تکمیل کے مراحل میں ہے۔ سادات میں "زیدی" آپ سے منسوب یعنی آپ کی نسل ہیں۔ یہاں حاضری دینے کے بعد ہم اللہ کے ایک اور نبی حضرت ایوبؑ کے روضہ پر پہنچے۔ یہ بھی ایک قدیم طرز کی عمارت ہے۔ مرمت کا کام ہو رہا ہے۔ سنا ہے یہاں ایک کنواں ہوا کرتا تھا۔ اس کی کچھ نشانیاں ابھی باقی ہیں۔ اس کنوئیں کے پانی کی یہ تاثیر تھی کہ ہر مرض کے لئے شفا بخش تھا۔ خود نبی کا بیٹا جب بیمار ہوا تو وہ بھی اسی پانی سے صحت یاب ہوا۔

مقام رد شمس

یہاں سے ہم لوگ، شاہراہ بغداد سے ہوتے ہوئے کھجوروں کے ایک باغ میں آئے جہاں حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے بیٹے حضرت ابی بکر کا مزار ہے۔ مزار اچھی حالت میں ہے۔ زائرین یہاں آتے رہتے ہیں۔ حضرت ابی بکر کربلا سے چالیس کلومیٹر دور ایک لڑائی میں شہید ہوئے تھے۔ یہاں سے چل کر ہم لوگ رد شمس پہنچے۔ یہاں مولا علیؑ لوگوں کی امانتیں واپس کیا کرتے تھے۔ ایک روز دیر ہو گئی۔ سورج غروب ہوا چاہتا تھا۔ آپ نے ظہرین کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے سورج کو حکم دیا کہ وہ واپس چلا جائے۔ سورج نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور واپس آگیا۔ آپ نے ظہرین کی نماز ادا فرمائی۔

حضرت میثم تمار

حضرت میثم تمار، آج کی آخری زیارت تھی۔ حضرت میثم، حضرت علی علیہ السلام سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کھجوروں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ حضرت علیؑ کا ان کے

ہاں آنا جانا رہتا تھا۔ بیت الشرف، حضرت علیؑ کے گھر سے ان کا گھر ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلہ پر تھا۔ وہیں وہ کھجوروں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ حضرت علیؑ نے حضرت میثم کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ ہماری محبت چھوڑ دو' ورنہ تمہارے ساتھ یہ ہو گا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے' زبان کاٹ دی جائے گی اور پھر تمہیں اس (ایک کھجور کا درخت جو ان کے صحن میں تھا) سے لٹکا کر پھانسی دے دی جائے گی۔ حضرت میثم نے یہ پیشین گوئی سن کر بھی مولا کی محبت سے ہاتھ نہ کھینچا اور پھر انجام کار وہی ہوا جس کا ذکر مولائے کائنات کر چکے تھے لیکن اس دوران حضرت میثم نے یہ کیا کہ اس درخت کو پانی دینا شروع کر دیا۔ آپ کا روضہ کھجوروں کے گودام کی جگہ پر ہے۔ خوبصورت عمارت ہے۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے جناب میثم تمار میں قابلیت اور استعداد دیکھی اس کے مطابق انہیں تعلیم دی۔ آپ کا وطن کوفہ اور خاندان بہت بڑا تھا۔ جناب میثم کے والد جناب یحییٰ تمار کوفہ میں کھجوروں کی دکان کے مالک تھے۔ ان کی وفات کے بعد جناب میثم بھی اسی دکان پر کھجوریں بیچتے رہے۔ عربی میں کھجور کو تمار کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے جناب میثم کے گھر کو بیت التمارین کہا جاتا تھا۔ مولا علیؑ جناب میثم پہ نظر عنایت کیا کرتے تھے' اپنی ظاہری حکومت و خلافت میں۔

حضرت میثم کے روضہ پر سارا سال زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ لوگ علیؑ کے وفادار کو خراج عقیدت پیش کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے بھی میثم تمار کو سلام عقیدت پیش کیا اور آگے چل پڑے۔

کربلا' کربلا

کربلا' کربلا' یا حسین' یا حسین کا ورد کرتے ہوئے ہمارا قافلہ' کربلا کی میونسپل حدود میں داخل ہوا۔ یہ بھی آج کے دیگر جدید شہروں کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کشادہ سڑکیں' خوبصورت عمارتیں' ایک منزلہ مکان' سمن آباد اور گلبرگ کی کوٹھیوں جیسی رہائش گاہیں اور پانی کی فراوانی' کربلا کے اس نقشے سے بہت مختلف ہے جو معرکہ حق و

باطل کے وقت تھا۔

اطراف عالم سے خلق خدا، یوم عرفہ منانے یہاں پہنچی ہوئی تھی۔ پرستاران حسینؑ میں ہر لحہ اضافہ ہو تا جا رہا تھا۔ اگرچہ شہر میں بے تحاشہ ہوٹل ہیں لیکن سب کے سب بھر چکے تھے۔ کربلا میں سیارہ (بس، لاری) کا داخلہ بند ہو چکا تھا۔ ہماری بس یعنی سیارہ بھی ہوٹل تک نہ پہنچ سکا۔ تین چار فرلانگ دور سے اپنا سامان ہتھ ریڑھی پر رکھ کر ہم لوگ سامرہ ہوٹل پہنچے۔ یہ ہوٹل حضرت عباسؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضوں کے درمیان ہے۔ چار بیڈ کا ایک کمرہ ہم میاں بیوی کے حصہ میں آیا۔ ہوٹل میں پہنچے تو دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ کھانا کھایا اور تھوڑی دیر آرام کے لئے قافلہ والے اپنے کمروں میں جا لیٹے۔ شام سات بجے زیارات اور عبادات کے لئے نکلے۔

صحرائے نینوا کا یہ مقام کربلا، غالباً اس لئے کہا گیا کہ اس کے اطراف میں "کربل" نامی گھاس بکثرت اگتی ہے یا پھر اس لئے کہ یہ قطعہ ارضی آفات و مصائب کے لئے مشہور ہے۔ موسم گرما میں یہاں دن کو شدید گرمی ہوتی ہے لیکن رات ٹھنڈی ہوتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ کے قدموں نے اس زمین کو جنت المعلیٰ بنا دیا ہے۔ اب اس کو کربلائے معلیٰ کہتے ہیں۔ کربلا کے میدان میں انسانی تاریخ کی روح فرسا بربریت اور خانوادہ رسول کے صبر و رضا کی حیران کن عملی تصویر دنیا کے سامنے آئی۔

روضہ حضرت عباسؑ علمدار

کربلا کے خونچکاں واقعات کو یاد کرتے ہوئے، دلگرفتہ سب سے پہلے ساقی کربلا حضرت عباسؑ علمدار کے روضہ پر پہنچے۔ آپ کی اصل قبر، موجودہ ضریح کے نیچے تقریباً دس فٹ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اترنے کے لئے ایک زینہ بنا ہوا ہے۔ لیکن عام حالات میں زینہ کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ زیارت پڑھ کر ہم لوگ ضریح کی ایک تصویر بنا چکے تو روضہ کے ایک خادم نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ وہ پوری فلم ضائع کرنے پر بضد تھا۔ اس عرصہ میں، میں کیمرہ لے کر ہجوم سے نکل چکا تھا۔ خادم ایک صاحب سے الجھ رہا تھا کہ انہوں نے تصویر

اتاری ہے جبکہ موصوف کا کہنا تھا کہ میرے پاس تو کیمرہ ہی نہیں' تصویر اتارنے کا کیا سوال ہے۔ خادم کا اصرار تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے انہیں تصویر بناتے دیکھا ہے۔

میرے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عباسؑ اور حضرت امام حسینؑ کے روضوں پر تصاویر بنانے کی اجازت نہیں۔ مجھے پہلے سے علم ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کرتا۔ ویسے حیرت یہ ہے کہ تصاویر قدم قدم پر فروخت ہو رہی ہیں اور ضریح مبارک کی تصاویر بھی بک رہی ہیں تو پھر زائرین کو اپنے کیمرے سے تصویر بنانے کی کیوں اجازت نہیں؟

حضرت عباسؑ کا روضہ دیدنی ہے۔ زائرین کا ہجوم ہر لمحے موجود ہوتا ہے۔ لوگ عقیدتیں نچھاور کرتے ہیں۔ لشکر حسینی کے علمدار کی شجاعت' وفاداری اور شہادت کو یاد کرکے روتے ہیں۔

بنی اسد کی خواتین کا گریہ

حضرت علیؑ' حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے روضوں پر گریہ کی ایک عجیب صورت دیکھنے میں آئی۔ بنی اسد کے قبیلے کی عورتیں ضریح کے پاس بیٹھ کر' ایسا دلدوز قسم کا گریہ کرتی ہیں کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ان کے گریہ کی آوازیں' احاطہ تحریر میں نہیں آسکتیں۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ موت کی گونج میں روح انسانی فریاد کناں ہے۔ گریہ زاری کرنے والی خواتین کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ضریح کے ساتھ لگ کر بین کرتی ہیں اور یہ پتہ نہیں چلنے دیتیں کہ بین کون کر رہا ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے جب 2 محرم 60 ہجری میں کربلا میں قیام کا فیصلہ کیا تھا تو کربلا کی 28 مربع میل زمین 56 ہزار دینار نقد ادا کرکے خرید فرمائی تھی۔ آپ نے یہ زمین اس شرط کے ساتھ بنی اسد قبیلہ کو بخش دی تھی کہ شہدائے کربلا کے اجسام مطاہر وہاں دفن کئے جائیں گے۔ 12 محرم کو قبیلہ اسد کے سرکردہ لوگوں نے شہداء کی تجہیز و تکفین کی تھی۔ قبیلہ بنی اسد پر اسی وجہ سے مدتوں ظلم و ستم ہوتا رہا۔ چند سال قبل تک کربلا کی زمین پر اہل قبیلہ بیت الخلا تک نہیں بناتے تھے۔ وہ لوگ خود اور ان کی عورتیں رفع

حاجت کے لئے بستی سے باہر جنگل میں جاتے۔ چھوٹے چھوٹے کچے مکان تھے بعض دو منزلہ بھی تھے لیکن سب کے سب کچے تھے اس قبیلہ کے زیر انتظام علاقہ کی فضا میں احترام پایا جاتا تھا۔ بستی کا منظر بھی قدیمی اور حقیقی تھا۔ اب حکومت نے ان سے زمین چھین کر بستی بلڈوز کر دی ہے۔ دور دور تک اس قبیلے کے لوگوں کے گھر مسمار کر دیئے گئے ہیں۔ اب وہ کربلا سے بید خل ہو چکے ہیں۔

آج کا کربلا

خوبصورت روضوں کے درمیان دلکشا گرین بیلٹ، بڑے بڑے ہوٹل، سینکڑوں عمارتیں، شاپنگ سینٹر اور بازار وجود میں آچکے ہیں۔ زائرین کی سہولت کے نکتہ نظر سے تو یہ اچھی بات ہے لیکن کربلا کے اصل آثار اور قدرتی ماحول تبدیل ہو چکا ہے۔ قبیلہ بنی اسد کے لوگوں پر حکومت کا ظلم و ستم اب بھی جاری ہے۔ دراصل ظلم کی یہ داستان گزشتہ چودہ سو برسوں سے مسلسل جاری ہے۔ حضرت امام حسینؑ کے روضہ کو کتنی بار اور کس کس دور میں مٹانے کی کوششیں ہوئیں، یہ ایک شرمناک داستان ہے۔ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اس سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔

سرزمین کربلا میں یوم عرفہ

6 اپریل 1998ء، آج عرفہ ہے اور کل عید لیکن یہاں کے قوانین کے مطابق باجماعت نماز نہیں ہو سکتی۔ آپ اپنے گھر میں نماز پڑھیں اور عید منائیں۔ یہ پابندی اس حکومت کی طرف سے ہے جو اپنے قومی پرچم پر "اللہ اکبر" لکھتی ہے۔ خود کو اسلامی حکومت کہتی ہے۔ اسلامی حکومت کا داخلی حال یہ ہے کہ ہم زائرین کے ساتھ دو اہلکار چپکے ہوئے ہیں۔ وہ قدم قدم پر ہماری گنتی کرتے ہیں اور ہم پر مسلسل نظر رکھے ہوئے ہیں۔ کیا کریں ان کی ڈیوٹی ہی یہی ہے۔ سڑکوں پر جگہ جگہ مشین گنیں لگا کر مورچہ بند پولیس بیٹھی ہے۔ گاڑیاں چیک کی جاتی ہیں۔ ہمارے یہ خفیہ والے ساتھی انہیں "پاکستانی وفد" کہہ کر مطمئن کر دیتے ہیں۔ بعض جگہ یہ انہیں کوئی تحریر بھی دکھا کر راستہ لیتے ہیں۔ ایرانی

زائرین کے ساتھ زیادہ سختی کی جاتی ہے۔ ان کی ایک بس میں آٹھ دس آدمی نگرانی کے لئے ساتھ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمان ملکوں میں ایسے حالات پیدا کر دیں کہ ان کی حکومتوں کو زائرین کے ساتھ یہ رویہ نہ روا رکھنا پڑے۔

حضرت عونؑ کا مزار

زیارات اطراف کے لئے صبح دس بجے ہوٹل سامرہ سے نکلے۔ سب سے پہلے حضرت عونؑ شہید کے مزار پر حاضری دی۔ دو رکعت نفل پڑھے۔ زائرین کا ہجوم اور عقیدت مندوں کی آہ و بکا رقت پیدا کر رہی ہے۔ حضرت عون کے دوسرے بھائی محمدؑ بصرہ کے قریب لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ یہ دونوں شہزادے حضرت زینبؑ کے بیٹے تھے۔ آپ نے انہیں امام حسین کے صدقہ میں دے دیا تھا۔ بی بی سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ آپ سب کی زیارات کو گئیں' اپنے بچوں کی زیارت کو نہیں گئیں۔ بی بی نے فرمایا۔ صدقہ' سیدوں پر حرام ہے۔ میں اپنے بچے حسین کو صدقہ کر چکی ہوں۔

یہاں سے ہمارا قافلہ' دو معصوم بچوں' محمدؑ اور ابراہیمؑ کے روضوں پر پہنچا۔ ان بچوں کے سر قلم کر کے' لاشیں فرات میں بہا دی گئی تھیں۔ حضرت مسیب نے انہیں دریا سے نکالا اور احترام سے اپنی بستی میں لائے۔ تجہیز و تکفین کی' یہاں شاندار روضہ تعمیر ہو چکا ہے۔ (آج اتفاق سے ان بچوں کا یوم شہادت بھی ہے اس لئے گریہ و زاری بہت زیادہ ہے) حضرت مسیب کو جنت کی بشارت کے ساتھ بچوں کی تدفین کا کام سپرد کیا گیا تھا جس جگہ یہ روضہ ہے وہ آج بھی زیادہ بڑی آبادی نہیں ہے۔ یہ مقام کربلا سے 25 کلومیٹر دور مرکزی شاہراہ سے ہٹ کر واقع ہے۔ اس زمانے میں تو جنگل ہی ہو گا جب ان مظلوموں کو دفن کیا گیا تھا۔ آج اس مختصر آبادی کو "مسیب" کہا جاتا ہے۔

روضہ حضرت حر

فرات کے کنارے' کربلا سے دس بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر حضرت حر کا روضہ ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی زیارت ہے۔ جناب حر کا کردار بہت عظیم ہے۔ روایت ہے کہ روز

عاشور، حضرت حر کو خیال ہوا کہ کہیں کوئی اور ساتھی مجھ سے پہلے نواسہ رسول پر قربان نہ ہو جائے۔ یہ سوچ کر انہوں نے حضرت امام حسینؑ سے عرض کیا کہ--- مولا، چونکہ سب سے پہلے میں آپ سے لڑنے کو آیا تھا لیکن اللہ نے مجھے ہدایت بخشی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ سب سے پہلے میں ہی آپ کے قدموں پر نثار ہو سکوں۔

روایت ہے کہ جب شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد آپ اور آپ کے اعزاو اصحاب کی لاشوں پر گھوڑے دوڑانے کا مرحلہ آیا تو حضرت حر کی قوم کے لوگوں نے یہ کہہ کر لاش اٹھالی کہ جس کے وارث موجود ہوں اس کی لاش پامال نہیں ہو سکتی۔ آپ کا مدفن بڑی زیارت ہے۔ روضے کے باہر مقامی لوگ لبن (نمکین لسی) نامی مشروب فروخت کرتے ہیں۔ حضرت حر کے روضہ پر ظہرین کے بعد دو رکعت زیارت پڑھی اور واپس شہر آ گئے۔

زائرین کا پرسہ

راستے بند تھے، گلیاں محلے دور دور تک زائرین سے بھرے ہوئے تھے جسے جہاں جگہ ملی وہ وہیں بیٹھ گیا تھا۔ عورتیں، بچے، جوان، بوڑھے، سبھی حضرت امام حسینؑ کو پرسہ دینے آئے تھے۔ یہ لوگ سڑکوں، پارکوں، گلیوں، باتھ روموں میں پڑے تھے۔ بے شمار لوگ اپنی گاڑیوں میں آئے تھے اور انہی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کو اطمینان اس بات پر تھا کہ وہ یوم عرفہ، کربلا میں منا رہے ہیں۔ ان کی عید یہاں مسافرت اور کسمپرسی میں ہوگی لیکن یہی ان کے لئے اعزاز ہے۔ زیادہ تعداد مقامی یعنی عراقی عربوں کی تھی۔ دوسرے عرب ملکوں سے بھی لوگ جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ یہ لوگ یہاں تین راتیں گزار کر رخصت ہوں گے۔ چہلم پر بھی بڑی تعداد میں لوگ یہاں آتے ہیں۔ میں چونکہ زیارت پر پہلی مرتبہ آیا تھا اس لئے مجھے حیرت ہو رہی تھی کیونکہ جن لوگوں نے زیارات کے سفرنامے لکھے ہیں ان میں سے کسی نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

مقام امام جعفر صادق

طے ہوا کہ آج مقام امام جعفر صادقؑ اور ان کا باغ دیکھا جائے۔ مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے ہماری بس وہاں پہنچی جہاں سے حضرت عباسؑ نے نہر فرات سے مشکیزہ بھرا تھا۔ یہاں نہر کنارے ایک خوبصورت زیارت گاہ بنائی جارہی ہے۔ خیمہ گاہ حسینی کے مقام پر اب ایک سڑک ہے۔ نہر عبور کرکے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر باغ حضرت امام جعفر صادقؑ آجاتا ہے۔ یہ کھجوروں کا ایک وسیع و عریض باغ ہے۔ مقام امام پر دو رکعت نماز تیز دھوپ میں پڑھی۔ ہمیں جاوید زیدی کی وجہ سے خاص طور پر اس کمرہ میں بٹھایا گیا جو حضرت امام جعفر صادقؑ کا ذاتی کمرہ تھا اور جہاں بیٹھ کر تاریخ مقاتل مکمل کروائی۔ اسی کی بدولت آج بچہ بچہ کربلا کے واقعہ سے آگاہ ہے۔ دشمنان اہل بیت نے اسے مٹانے کے لئے بہت جتن کئے۔ کیا کیا حربے نہ استعمال کئے لیکن حق و صداقت ہزار پردوں میں سے ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔ ہمارے لئے اعزاز و سعادت کی بات تھی کہ ہم اس کمرہ میں بیٹھے۔ چائے پی، تبرکاً وہاں کی روٹی کھائی اور چند دانے کھجوروں کے حاصل کئے۔ مذکورہ کمرہ میں امام جعفر صادقؑ کے کچھ تبرکات موجود ہیں۔

مقام امام سے واپس آتے ہوئے سہ پہر ہوگئی۔ بس نے حرم کے قریب اتارا، وہاں سے پیدل ہوٹل میں آئے۔ تھکن سے برا حال تھا۔ روٹی کھائی اور پڑ کر سو رہے۔ اس سے پہلے طے کرلیا کہ حرم کے باقی مقامات پر مغربین کے وقت حاضری دیں گے۔

نقشہ روضہ امام عالی مقام

حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ میں داخل ہوں تو الٹے ہاتھ گنج شہیداں ہے۔ یہاں جانثاروں کی اجتماعی تدفین ہوئی تھی۔ امام عالی مقام کی قبر کے اوپر ہشت پہلو ضریح ہے۔ اس کے ایک پہلو میں شہزادہ علیؑ اکبر شہید اور دوسرے پہلو میں شہزادہ علیؑ اصغر شہید کے مدفن ہیں۔ سیدھے ہاتھ راہداری میں حضرت مظاہر کا مرقد ہے اس کے تھوڑا سا آگے وہ مقام ہے جہاں حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا گیا۔ یہ عمارت کافی بڑی

ہے۔ کربلا میں شہید ہونے والوں کی اکثریت یہیں ابدی نیند سو رہی ہے۔ یہاں ہر وقت زائرین آہ و بکا کرتے نظر آتے ہیں۔ عرفہ کی وجہ سے یہ دربار تین روز تک چوبیس گھنٹے کھلا رہے گا۔ باجماعت نماز کی اجازت یہاں بھی نہیں ہے۔ اگرچہ اہتمام اسی طرح ہوتا ہے لیکن نماز انفرادی طور پر ہی ادا کی جاتی ہے۔

① روضہ سید الشہداء امام عالی مقام جناب حسین علیہ السلام: آپ کے سرہانے حضرت علی اصغرؑ اور پائین پا حضرت علی اکبرؑ دفن ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت قاسمؑ بھی یہیں مدفون ہیں۔

② گنج شہیدان کربلا: یہاں امام مظلوم کے اصحاب مخلص اور اعزاء ایک ساتھ دفن ہیں۔ محققین کا خیال ہے کہ موجودہ رقبہ گنج شہیداں سے زیادہ رقبہ میں اصحاب علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ احتیاطاً بہتر یہ ہے کہ پائین پا نہ جائیں بلکہ پہلو سے زیارت پڑھ لی جائے۔

③ قبر جناب ابن مظاہر: باب قبلہ رواق کی جانب روضہ امام کے اندر بنی ہوئی ہے۔ اس پر ایک ضریح بھی موجود ہے۔

④ قتل گاہ: قبر جناب حبیب ابن مظاہر کے پاس ایک نقرئی دروازہ ہے۔ اس کے اندر واقع ڈھلان سے اتریں تو وہ نشیب واقع ہے جہاں امام مظلوم گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور قتل کیے گئے۔ اس مقام کو سنگ سبز و سرخ سے مزین کیا گیا ہے۔

⑤ قبر جناب ابراہیم الجاب: روضہ امام عالی مقام کے اندر واقع ہے اور اس پر ایک ضریح نصب ہے۔

امام مظلوم کی زیارت پڑھی، نوافل ادا کیے اور عقیدت کے آنسو پیش کر کے باہر نکل آئے کہ دوبارہ حاضری دیں گے۔ مغربین کی ادائیگی کے لئے روضہ حضرت عباسؑ علمدار کے دربار پہنچے۔ آج اندر اور باہر ایک جیسا حال ہے۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ بصد مشکل تھوڑی سی جگہ بنا کر مغرب ادا کی اور چند نوافل پڑھے۔ زیارت کے لئے

ضریح تک پہنچا۔ ابھی ضریح مبارک کو چھوا بھی نہیں تھا کہ ایک ریلے نے مجھے نہیں سے کہیں پہنچا دیا جس پیر میں تکلیف ہے وہی مزید کچلا گیا بہر حال حاضری مکمل کی۔

عشاء اور نوافل کے لئے پھر امام عالی مقام کے روضہ پر آئے۔ یہاں اس سے زیادہ اژدھام تھا۔ ہجوم کا دباؤ بھی شدید تھا۔ چند ایک منٹ دھکے لگائے اور پھر ضریح حبیب بن مظاہر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا لیکن مزید پیش رفت ممکن نہ تھی۔ گنج شہیداں اور دیگر زیارتیں صبح فجر کی نماز کے بعد پر ملتوی کیں اور باہر نکل آیا۔ جس مدخل سے داخل ہوا تھا وہ نمبر 5 تھا جس سے باہر نکلا وہ 9 نمبر تھا چنانچہ ایک چکر لگا کر 5 نمبر پر آیا۔ جوتا لیا اور ہوٹل واپس آگیا۔ رات کے سوا نو بج رہے تھے۔ لاہور ٹیلی فون کرنا عراق سے ممکن نہیں ہے۔ تہران ایئرپورٹ سے ندیم کو کہا تھا کہ اب بغداد سے فون کروں گا لیکن یہاں آکر پتہ چلا کہ ایسا ممکن نہیں لیکن اب صبر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ عراق میں دس روز کا قیام' گھر سے رابطہ کٹا رہے گا۔ اب دمشق سے ہی بات ہو سکے گی۔ اہلیہ بچوں سے رابطہ میں تعطل پر پہلے ہی پریشان سی تھیں کہ کل مزید گڑبڑ ہو گئی۔ کل میں مدخل نمبر 3 پر کھڑا' اہلیہ کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جوتوں کا ٹوکن میرے پاس تھا۔ انتظار طویل ہو گیا معاً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں جس مدخل پر کھڑا تھا وہ دراصل نو نمبر تھا۔ اہلیہ تین نمبر پر منتظر تھیں۔ آج کی غلط فہمی نے تو بیگم کا موڈ بالکل خراب کر دیا ہے۔ حضرت حر کے روضہ پر مجھے وضو گھر کی منتظمہ نے کہا کہ تمہاری بیگم اندر چلی گئی ہے' میں نے یقین کر لیا اور مطمئن ہو کر خود بھی اندر چلا گیا۔ اہلیہ باہر ہی کھڑی میرا انتظار کرتی رہیں۔ صورت حال واضح ہونے پر بڑی خفت ہوئی۔ اس خاتون نے خوامخواہ مجھ سے غلط بیانی کی حالانکہ میں نے اسے بخشش بھی دی تھی۔ ظاہر ہے کسی اور کے مغالطے میں اس نے مجھے مطمئن کر دیا تھا لیکن اب بیگم کا موڈ ہے کہ بحال ہونے میں نہیں آرہا۔ دراصل زیارات بڑی مشقت کا کام ہے۔ اعصاب شل ہو جاتے ہیں۔ کڑاکے نکل جاتے ہیں۔ میرا یہ حال ہے تو بیگم کی کیفیت کیا ہو گی۔ کیمرے میں موجود پہلی فلم ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔ کہیں کوئی فوٹو شاپ بھی دکھائی نہیں دیتی کہ کیمرہ کھلوا کر صورت حال معلوم کریں۔

رات دس بجے جاوید زیدی کے ساتھ گھوم پھر کر بالآخر ایک فوٹو شاپ تلاش کر ہی لی۔ کونیکا 100 کی ایک فلم چار ہزار دینار میں خریدی۔ سیل تحفہ کے طور پر ملے۔ کیمرہ کھولا تو پہلی فلم رول ہو چکی تھی۔ یہاں فلم نہیں دھل سکتی، کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ یا قسمت، یا نصیب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

مقام شہادت حضرت عباسؑ

حضرت عباسؑ کے روضہ اقدس کے نہر فرات والے رخ پر لکڑی کے دروازے اور تہ خانہ کی کھڑکی ہے۔ یہاں روضہ کی دیواریں بہت مضبوط ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب امام حسینؑ کی بیٹی سکینہ نے اپنے چچا عباسؑ کو مشکیزہ لاکر دیا اور کہا کہ چچا، بہت پیاس لگی ہے۔ ننھا علی اصغرؑ تڑپ رہا ہے تو آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور فرات تک جا پہنچے۔ پانی بھرنے، واپسی کا رستہ لیا تو دشمن نے قدم قدم پر روکا۔ لڑتے لڑتے ایک مقام پر ایک ہاتھ کٹا۔ کچھ اور آگے بڑھے تو دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ بالآخر شہید ہو گئے۔ امام عالی مقام بھائی کے لاشے پر آئے اور کہا۔ "عباسؑ پانی لانے کے لئے تمہیں اتنی دور جانے کی کیا ضرورت تھی۔ پانی تو تمہارے چاروں طرف موجود ہے۔" چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود، جدید ترین تعمیرات کے باوجود، روضہ اطہر کی ایک دیوار سے پانی اندر آتا ہے۔ قبر مبارک کا طواف کرتا ہے اور واپس دیوار کے راستے کہیں چلا جاتا ہے۔ بظاہر پانی کا کوئی انتظام نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ نہر علقمہ کا پانی ہے جو صدیوں سے حضرت عباسؑ کو سلام پیش کرنے حاضر ہو رہا ہے۔ کسی انجینئر، کسی ماہر کو اس پانی کا منبع، دیوار کے پار نہیں ملا۔ خود پانی نے بھی اپنی فطرت کے برعکس کبھی اس دیوار کو متاثر نہیں کیا۔ کہیں بھی نمی تک محسوس نہیں ہوتی۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ یہاں سے تھوڑا سا پانی تبرکاً ساتھ لے جاؤں۔ حضرت علیؑ کے گھر، بیت الشرف سے پانی کا تبرک حاصل کر چکا ہوں۔

کل اگر، کلی برادر (انچارج) مان گیا تو تہ خانے میں جاکر خود بھی زیارت کا شرف حاصل کروں گا۔ انشاء اللہ!

عراق میں، روضوں پر صفائی کا انتہائی ناقص انتظام ہے۔ [illegible] جیسے مکہ اور مدینہ میں کیفیت ہوتی ہے لیکن حکومت کی غفلت ناقابل معافی ہے۔ صفائی نصف ایمان کو عراقیوں نے گندگی نصف ایمان میں بدل رکھا ہے۔

زوار کی واپسی

7 اپریل 1998ء، آج عید قربان ہے جس زور و شور سے زوار کربلا میں آئے تھے اسی زور و شور سے نماز فجر کے بعد واپسی شروع ہو گئی ہے۔ مقامی زائرین، جنہوں نے گلیوں، بازاروں، فٹ پاتھوں، پارکوں وغیرہ پر ڈیرہ جمایا تھا اپنی اپنی سواریاں لے کر بوریا بستر لپیٹ گئے ہیں۔ یہ زائر ہوٹل میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتے۔ ان کی گاڑیوں میں کھانے پینے کا سامان، گیس سلنڈر، چولہے وغیرہ موجود ہوتے ہیں۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ زبردست پکنک منائی اور واپس چلے گئے۔ ساتھ ہی حضرت عباسؑ اور حضرت امام حسینؑ کو بھی سلام ہو گیا۔ کربلا میں ہر سال یہ دو روز اسی طرح گزرتے ہیں۔ اب شہر میں صرف غیر ملکی زائرین ہیں۔ ایرانی زائرین طویل فاصلہ طے کر کے اردن کی سرحد سے داخل ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اپنی بسیں ہوتی ہیں۔ انہیں سات روز کے اندر تمام زیارات مکمل کرنا ہوتی ہیں۔ واپسی بھی اردن کی سرحد ترابنیل سے ہی ہوتی ہے۔

مقام علی اصغرؑ و علی اکبرؑ

شام 5 بجے زیارات کربلا کے لئے نکلے۔ کچھ پرانی گلیوں سے ہو کر پہلے مقام علی اصغرؑ پر پہنچے۔ ایک مکان کے کارنر کی دیوار پر ٹائلیں وغیرہ لگا کر محفوظ کر لیا گیا ہے۔ یہاں حرملہ نے تیر سے چھ ماہ کے علی اصغرؑ کو شہید کیا تھا۔ دراصل امام حسینؑ اتمام حجت کے لئے شیر خوار کو لے کر آئے تھے کہ اسے تو پانی پلا دو۔ جواب میں سفاکی اور سنگدلی نے اپنی حدوں کو چھو لیا۔ پرانے کربلا کے بوسیدہ مکانوں اور تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے ایک اور بلڈنگ پر پہنچے۔ اس کا کارنر مقام حضرت علی اکبرؑ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس مقام پر حضرت علی اکبرؑ کو برچھی لگی اور آپ گھوڑے سے گر گئے تھے۔ اس مقام پر ایک مومنہ

کے مکان کا کمرہ ہے۔ یہاں زیارت بھی آویزاں ہے۔ کچھ آگے جاکر ذرا کشادہ سڑک پر، جہاں سے نہر فرات کا فاصلہ بمشکل ایک فرلانگ ہوگا' مقام مکالمہ ہے۔ اس جگہ امام حسینؑ اور عمر بن سعد کے درمیان آخری گفتگو ہوئی تھی۔ اس گفتگو کا عربی متن وہاں آویزاں ہے۔

تلہ زینبیہ

تلہ زینبیہ وہ جگہ ہے جہاں بی بی نے کھڑے ہو کر اپنے بھائی کی جنگ اور شہادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ روضہ امام حسینؑ کے ایک کونہ میں وہ جگہ محفوظ کرلی گئی ہے۔ یہ جگہ نشیب میں تھی اور آج بھی نشیب برقرار ہے۔ تلہ زینبیہ' ایک ٹیلہ پر واقع ہے وہاں سے آج بھی اس جگہ کو دیکھا جاسکتا ہے جبکہ پورا نقشہ بدل چکا ہے۔ اس کمرہ میں حضرت زینبؑ کی زیارت کی جگہ کا تعین کیا گیا ہے۔ تلہ زینبیہ کے قریب ایک بازار کفن فروشاں کہلاتا ہے۔ اس میں سے گزرنے کے بعد' خیمہ گاہ حسینی پہنچتے ہیں۔

خیمہ گاہ حسینی

خیمہ گاہ حسینی کے مقام پر ایک عمارت بنا دی گئی ہے جو پورے خیمہ گاہ کا احاطہ کرتی ہے۔ ایک بڑا گیٹ ہے۔ اندر داخل ہوں تو پہلا نشان حضرت عباسؑ کے خیمہ کا ہے۔ پھر دو رویہ نشانات خیام نظر آتے ہیں۔ آپ علیہ السلام' آپ کے اصحاب اور انصار کی سواری کے جانور باندھنے کی جگہ' امام حسینؑ کے خیمہ کا نشان درمیان میں ہے۔ امام کے خیمے کے پیچھے حرم محترم اور پردہ داران عصمت و طہارت کے خیموں کے نشانات ہیں۔ ایک مقام کی نشاندہی ہے جہاں حضرت امام حسینؑ نے نیزہ مار کر زمین سے پانی برآمد کیا تھا۔ یہ پانی آج تک اس کمرے کے نیچے موجود ہے۔ یہ پانی کہاں سے آتا ہے' معلوم نہیں۔ کبھی کبھی بہت زیادہ بھر جاتا ہے اور باہر نکل آتا ہے۔ پختہ عمارت بنی ہوئی ہے لیکن پانی اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتا۔ ایک مقام پر وہ جگہ نمایاں کر دی گئی ہے جہاں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام' بیمار کربلا' بحالت مرض شدید لیٹے ہوئے تھے

جبکہ خیموں کو آگ لگا دی گئی۔ اس پورے کیمپ کے آخر میں حضرت قاسم کا خیمہ ہے جسے حجلہ عروسی بھی کہتے ہیں۔ یہاں ہمارے قافلے نے مرثیے اور نوحے پڑھے، تبرک تقسیم کیا۔ اس دوران خفیہ کے لوگوں کا پیچ و تاب کھانا، دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

مقام زعفر جن و شیر فضہ

خیمہ گاہ حسینی سے ہمارا قافلہ واپس امام مظلوم کے روضہ پر آیا۔ روضہ میں مقتل گاہ کے ایک کونہ میں جنوں کے سردار، زعفر جن کا مقام ہے۔ کہتے ہیں کہ جنوں کے سردار نے حضرت امام حسینؑ سے جنگ میں شرکت اور نصرت کی اجازت چاہی۔ آپ نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں میرا قتل مشیت ایزدی ہے۔

مقام شیر فضہ نمایاں طور پر موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ شہادت امام حسین کے بعد جب لاش کو پامال کرنے کا پروگرام بن رہا تھا، بی بی زینب کے حکم پر جناب فضہ نے ابو الحارث نامی شیر کو آواز دی۔ شیر بر آمد ہوا اور اس نے نعش مبارک کی حفاظت کی۔

مقام بازوے عباسؑ

مقام قطع بازوے عباسؑ نہر فرات کے بالکل قریب ہے۔ آپ جب مشکیزہ بھر کر نہر سے واپس ہوئے تو اعدا نے حملہ کر دیا۔ اس تصادم میں آپ کا ایک بازو شہید ہو گیا۔ مقام قاسم ابن امام حسن علیہ السلام کو بھی معینہ جگہ پر ایک مکان کی پشت پر ٹائلیں لگا کر نمایاں کر دیا گیا ہے۔ یہاں آپ جنگ کرتے ہوئے گھوڑے سے گر کر شہید ہوئے تھے۔

روایت ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ جب اپنے جد بزرگوار، امام مظلوم سے ملنے تشریف لاتے تھے تو اس جگہ کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ حضرت عباسؑ کا دوسرا بازو جہاں شہید ہوا تھا وہاں اب ہوٹل بن گیا ہے اور عمارت کے باہر کسی قسم کا نشان باقی نہیں رہا ہے۔ سنا ہے اندر وہ مقام محفوظ ہے۔ مقام امیر المومنین علیہ السلام بڑی اہم جگہ ہے۔ اس مقام کے حوالے سے بہت سی روایات موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ صفین سے واپسی پر حضرت علیؑ یہاں ٹھہرے تھے۔ واقعہ کربلا، شہادت امام حسینؑ کی تاریخ اور وقت تک آپ نے

وہاں موجود لوگوں کو بتا دیا تھا۔ اس مقام کے حوالے سے حضرت آدم حضرت نوح اور حضرت ابراہیم سے متعلق بھی چند باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ جگہ امتحان گاہ یا مقام مصیبت' بہر طور طے شدہ ہے۔

غازی علمدار کے روضہ کے نیچے تہ خانہ میں آپ کی لحد مبارک ہے۔ ذکر کیا جاچکا ہے کہ ایک دیوار سے پانی اندر آتا ہے اور مزار (لحد) کا طواف کرکے واپس چلا جاتا ہے۔ اس پانی نے آج تک روضہ کی عمارت کو نقصان نہیں پہنچایا۔ (تہ خانہ' خاص خاص لوگوں کے لئے کھولا جاتا ہے تاکہ زیارت کر سکیں) کہتے ہیں کہ یہ پانی نہر علقمہ یا نہر حسین سے آتا ہے۔ قبیلہ بنی اسد کی عورتوں کے جگر سوز بین سن سن کر مجھے کرید ہوئی کہ آخر یہ سب کچھ کیا ہے۔ تحقیق پر پتہ چلا کہ جب حکومت عراق نے یہ فیصلہ کیا کہ کربلا کے میدان کو اوقاف کی تحویل میں دے دیا جائے تو بنی اسد سے تصادم ہو گیا۔ حضرت امام حسینؑ 28 مربع میل کا یہ رقبہ خرید کر بنی اسد کو کچھ شرائط کے ساتھ تحفہ میں دے چکے تھے۔ تب سے یہ لوگ کربلا میں متولی یا مجاور بن کر رہ رہے تھے۔ اس علاقے میں ان کا اپنا حکم چلتا تھا۔ حکومت ہر قیمت پر فوری قبضہ کرنا چاہتی تھی چنانچہ تصادم ہوا اور جب قبیلہ کے لوگ لڑتے لڑتے روضہ امام مظلوم میں پناہ گزین ہو گئے۔ صدام کی فوجوں نے ایک دروازہ توڑ دیا اور اندر داخل ہو کر بے دریغ قتل عام کیا۔ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں بنی اسد قبیلہ کے ایک لاکھ افراد مارے گئے۔ مجھے اس تعداد میں مبالغہ محسوس ہوا تو مجھے کہا گیا کہ آپ خود جاکر روضہ مبارک امام مظلوم کی دیواریں دیکھ لیں۔ سنگ مرمر کی دیواریں گولیوں سے چھلنی ملیں گی۔ واقعی زیارت گاہ امام مظلوم کی دیواریں اس بات کی گواہ ہیں کہ یہاں کافی کشت و خون ہوا ہو گا۔ بتایا جاتا ہے کہ قبیلہ بنی اسد کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عورتوں کے بین حقیقی ہیں۔ اب بھی صورت حال یہ ہے کہ اس قبیلے کو اچھوت بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ خفیہ والے ہم زائرین کے ساتھ قدم قدم پر اس لئے چپکے رہتے ہیں کہ ہم کسی سے رابطہ نہ رکھیں اور جس سے رابطہ کریں وہ ان کی نظروں میں آجائے۔

خاک شفا' سجدہ گاہ اور تسبیح یہاں سے دنیا بھر کے مومنین کے لئے یہ سب سے بڑا متبرک تحفہ ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہاں کی مٹی بھربھری اور سمندری علاقوں جیسی ہے حالانکہ خاک شفا اور سجدہ گاہ وغیرہ چکنی مٹی کی بنتی ہے۔ ایک جگہ' محلہ کفن فروشاں کے ساتھ گہری کھدائی ہو رہی تھی۔ وہاں سے نکلنے والی مٹی کی تہوں کو غور سے دیکھا تو وہ مختلف اقسام کی محسوس ہوئی مزید کرید ہوئی۔ پتہ چلا کہ عاشورہ کے ایام میں کربلا کی مٹی سرخ ہو جایا کرتی تھی۔ اسے چھپانے کے لئے زمین کو ہموار کر کے مخصوص پوائنٹ پر کنکریٹ' بجری' ریت اور بھربھری مٹی وغیرہ ڈال کر اصل سطح زمین کو چھپا دیا گیا ہے لیکن دشمنان اہل بیت کیا کیا کریں گے۔ قدم قدم پر دوسری بے شمار حقیقتیں موجود ہیں۔

سعادت مکرر

8 اپریل 1998ء' پروگرام بنا کہ آج حضرت حر' حضرت عون بن عبداللہ (بی بی زینب کے بیٹے) حضرت محمدؑ اور ابراہیمؑ بن مسلم بن عقیل کے روضوں کی دوبارہ زیارت کی جائے۔ اس دفعہ چند تصاویر بھی بنائی جائیں۔ یہ مقامات' کربلا کی میونسپل حدود کے اندر ہیں۔ جاوید زیدی نے نگران سے بات کی اور ویزہ وغیرہ ساتھ لے لیا۔ ایک ٹیکسی 8 ہزار دینار پر ملی اور سوا دس بجے روانگی ہوئی۔ کربلا کے لوگ آج عید منا رہے تھے۔ مختلف روضوں پر میلے کی سی کیفیت تھی۔ حضرت حر کے روضہ کے باہر دیسی جھولوں پر بچے جھول رہے تھے۔ دیسی جھولہ' دائیں بائیں' کھجور کے دو تنے گاڑ کر دونوں کے سروں سے رسیاں باندھ کر تیار کیا جاتا تھا۔ بچے ان جھولوں سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کربلا کا پورا علاقہ انتہائی زرخیز اور پانی کی فراوانی سے مالا مال ہے۔ جگہ جگہ صدام کی تصویریں آویزاں ہیں۔ پولیس اور فوج بھی یہاں بڑی تعداد میں موجود رہتی ہے۔ مسیب ٹاؤن کے پاس ریلوے لائن بھی نظر آئی۔

نہر علقمہ

آج صبح نمازِ فجر اور نوافل' حضرت امام حسینؑ کے روضہ اقدس پر ادا کئے۔ حیرت کی بات ہے کہ بے شمار خلقت واپس چلی گئی تھی لیکن روضوں پر ہجوم کا وہی عالم تھا۔ گنج شہیداں کے سامنے جگہ مل گئی' نماز ادا کی۔ (اب دوپہر کے کھانے کے بعد انشاء اللہ قریب کی زیارتیں دوبارہ کرنے کا ارادہ ہے) چار بجے شام پہلے غازی عباسؑ کے روضہ اقدس پر گئے۔ زیارت کی' نماز ظہرین ادا کیں۔ 2 نفل زیارت حضرت عباسؑ پڑھے۔ پھر نہر حسین یا نہر علقمہ دیکھنے کے لئے مشرقی سمت گئے۔ یہ نہر روضہ اقدس کے چاروں طرف بہہ رہی ہے۔ جالی میں سے جھانکا' پانی صاف طور پر نظر آ رہا تھا اور لبالب تھا۔ شمال کی جالی میں سے دیکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ نظر نہ آیا' تاریکی سی تھی۔ اب مغربی سمت کی طرف آئے۔ جہاں سے پانی نہ صرف نظر آیا بلکہ اس طرح سے پانی کی آوازیں سنائی دیں جیسے کوئی نہا رہا ہو۔ اس ضمن میں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ روضہ اقدس بعد میں بنا ہے تو پھر پانی کہاں سے آ رہا ہے؟ حضرت عباسؑ نے نہر فرات کے جس حصہ سے پانی کا مشکیزہ بھرا تھا وہ اس مقام سے تین فرلانگ دور ہے۔ راستے میں پکی سڑکیں اور کئی کثیر منزلہ عمارتیں ہیں۔ پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ پانی جہاں بھی ہو گا' نمی سے عمارت کو متاثر کرے گا یا آخر نقصان پہنچائے گا۔ اِدھر یہ صورت حال ہے کہ وہ قبر مطہر کو گیلا بھی نہیں کرتا حالانکہ چاروں طرف کئی فٹ بلند پانی گھوم رہا ہے' ساکن حالت میں بھی نہیں!

عراق کی حالت زار

عراق میں قدم قدم پر نبیوں' پیغمبروں' اولیاء' اماموں اور امام زادوں کے نشانات نظر آتے ہیں۔ انہیں محفوظ کرنا' سنبھالنا اور دیکھ بھال کرنا ایک مہنگا کام ہے۔ اس کے لئے کثیر سرمایہ درکار ہے جبکہ آج کل عراق کی مالی حالت پتلی ہے۔ عراق تو ایک بین الاقوامی جیل خانہ محسوس ہوتا ہے۔ یہاں موبائل فون نہیں' بین الاقوامی نشریات نہیں دیکھی جا سکتیں۔ ملک سے باہر فون نہیں ہو سکتا۔ ملک کے اندر بھی نظام اس قدر تلپٹ ہے کہ

ضروری نہیں آپ کو لوکل کال بھی مل جائے۔ دس بارہ سال پرانی مشینری ہے اسے جیسے تیسے گھسیٹ رہے ہیں۔ پولیس کے کنٹرول پر اور حکومت کے خوف سے لوگ صدام حسین کی تصویروں کے سائے میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ہر شخص بھیک مانگتا ہے۔ کاروباری لوگ ایک کے دس وصول کرنے کے چکر میں بنیادی اخلاقیات سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ کربلا شہر کی گلیوں میں موجود نشانات مقدسہ کی زیارت کے لئے زائرین کو بھکاریوں کے ہاتھوں بہت پریشانی اٹھانا پڑتی ہے۔ گلیوں میں عورتیں اور بچے ان کی جان کو آجاتے ہیں۔ اچھی جوان' خوبصورت لڑکیاں ہاتھ پھیلانا معیوب نہیں سمجھتیں۔

روضہ عباس علیہ السلام سے باغ امام جعفر صادق علیہ السلام پہنچے۔ کچھ کھجوریں فاطمہ نے تحفہ میں دیں۔ تبرکات کے ساتھ کھڑے ہو کر تصاویر اتروائیں اور پھر واپس نہر فرات کے کنارے مقام صاحب الزمان علیہ السلام آگئے۔ یہاں حضرت صاحب الزمان' امام زین العابدین علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے۔ اب ایک خوبصورت عمارت یہاں کھڑی ہے۔ خواتین اور مرد حضرات کے لئے نماز پڑھنے اور بیٹھنے کا بہت اچھا انتظام ہے۔ سارا انتظام دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔

سامرہ ہوٹل (فندق السامرہ) کے عامر محمودی اور خفیہ کے ایک صاحب سے موجودہ حالات پر انگریزی' عربی میں اور اشاروں کنایوں میں گفتگو ہوئی۔ اِدھر عراق میں اب تک ہم نجف' کوفہ اور کربلا کا سفر مکمل کر چکے تھے۔ ان قدیم علاقوں میں مذہبی اثرات بھرپور انداز میں نظر آتے ہیں۔ یہاں چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی سر ڈھانپ کر رکھتی ہیں۔ بغداد سے گزرتے ہوئے میں نے جدید تہذیب کا اثر دیکھا تھا۔ سکرٹ میں ملبوس خوبصورت لڑکیاں سروں پر چادر کی بجائے اسکارف پہنے ہوئے تھیں۔

کل یعنی 9 تاریخ کو کاظمین کا ارادہ ہے۔ کاظمین بغداد کے قریب ہے۔ کل ہی بغداد سے گھر فون کرنے کی کوشش کروں گا۔ آج بقرعید ہے گزشتہ برس یہ دن میدان عرفات میں گزرا' مشعرالحرام اور منیٰ میں گزرا تھا۔ اس دفعہ کربلا میں گزر رہا ہے۔ یہاں اجتماع پر پابندی ہے۔ عید کی نماز بھی نہیں ہوئی۔ شہر میں ہمارے شہروں کی طرح کوئی گھما گھمی نہیں

ہے۔ کاروبار جاری ہے۔ شاپنگ سنٹر اور بازار کھلے ہیں۔ یہ عالم ایک اسلامی ملک کا ہے جس کا جھنڈا اللہ اکبر کی اسلامی شناخت رکھتا ہے۔ تمام زیارات پر' ہر ضریح مبارک پر "خادم کربلا معلّی' صدام حسین" کا نام کندہ ہے۔ تمام بڑی بڑی زیارات کے مرکزی دروازوں پر وزارت مذہبی امور عراق کی طرف سے صدر صدام حسین کی "خدمات" جلی حروف میں تحریر ہیں۔ کربلا قدیم و جدید کا نقشہ تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکا۔ شاید بغداد سے مل جائے۔

کربلا کی وداعی زیارت

9 اپریل 1998ء' فجر کی نماز کے لئے بیگم نے پونے دو بجے ہی جگا دیا۔ وضو وغیرہ کیا لیکن وقت دیکھا تو ابھی فجر بہت دور تھی' چنانچہ پھر سو گئے۔ پونے چار بجے اب میں نے اہلیہ کو بیدار کیا وہ فوراً تیار ہو کر روضہ پر چلی گئیں حالانکہ روضہ کھلنے کا وقت صبح پانچ بجے ہے۔ دراصل اہلیہ کو بے چینی یہ ہے کہ ضریح امام پاک کے ساتھ ایک سرخ پتھر بچھا ہے۔ اس پر وہ نماز پڑھنا چاہتی ہیں۔ یہاں پر ہجوم بے پناہ رہتا ہے۔ اکیلا فرد' نماز پڑھ ہی نہیں سکتا چنانچہ بیگم قافلہ کی کچھ دیگر خواتین کو بھی ساتھ لے گئیں تاکہ کامیابی رہے۔ مجھے تو کوشش کے باوجود موقعہ نہیں مل سکا تھا۔

بوجھل دل کے ساتھ نماز فجر اور نوافل پڑھے اور پھر بادل نخواستہ بھاری قدموں کے ساتھ الوداع' الوداع کہتا ہوا حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے روضہ پر حاضری دینے چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر زیارت حضرت عباس پڑھی۔ ضریح مبارک کو بوسہ دیا اور واپس ہوٹل سامرہ پہنچ گیا۔

واپسی کا پروگرام سات بجے طے تھا۔ میں روضہ مبارک سے سوا چھ بجے پلٹ پڑا۔ راستے میں مقامی لوگوں کو واپس جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی اپنی کاروں میں سر شام یہاں آجاتے ہیں۔ کاریں پارکنگ لائن میں لگا کر اپنے بیوی بچوں سمیت دونوں روضوں کے درمیان بنی ہوئی مخصوص جگہ اور فٹ پاتھوں پر لیٹ جاتے ہیں۔ ان کی

واپسی نماز فجر کے بعد ہوتی ہے۔ نماز' زیارات اور عقیدت کے لئے سڑک پر رات بسر کرنا ان کی عبادت کا حصہ ہے۔

مدائن

ساڑھے آٹھ بجے بس نے دونوں مبارک روضوں کا طواف کیا اور مدائن کے لئے روانہ ہو گئے۔ مدائن ایک قدیم شہر ہے۔ شہر میں میلے کا سماں تھا۔ بچے روائتی دیسی جھولے جھول رہے تھے۔ کچھ لوگ عید ملتے ہوئے بھی نظر آئے۔ قہوہ خانوں کے باہر آمنے سامنے بنچوں پر بیٹھے عرب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ

حضرت سلمان فارسیؓ کے روضہ کے چہار اطراف بہت زیادہ گہما گہمی تھی۔ یہ درگاہ ایک طویل و عریض چار دیواری میں واقع ہے۔ روائتی انداز کی چار دیواری میں بے شمار کمرے زائرین کے بیٹھنے اور ٹھہرنے کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ درگاہ درمیان میں ہے' صحن میں حجام' بچوں کی حجامت کر رہے تھے۔ ختنوں کا بھی اہتمام تھا۔ غالباً اس جگہ پر یہ کام نیک شگون سمجھا جاتا ہے۔ یہاں ہم نے وضو وغیرہ کیا اور پھر حضرت سلمان فارسیؓ کو ان کی محبت اہل بیت پر نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر اسی مقبرے کی عمارت کے اس حصہ میں پہنچے جہاں حضرت طاہر بن امام زین العابدین علیہ السلام آرام فرما ہیں۔ ان کے ساتھ ہی صحابی حذیفہ یمانیؓ اور صحابی جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے مزارات ہیں۔ یہ دونوں صحابی یہاں سے تھوڑی دور' طاق کیسریٰ میں مدفون تھے۔ طاق کیسری دریائے دجلہ کے کنارے اس وقت بھی کھنڈر کی صورت میں موجود ہے۔ روایت ہے کہ ایک حکمران کو خواب میں بشارت دی گئی کہ متذکرہ صحابیوں کو وہاں سے منتقل کر کے حضرت سلمان فارسیؓ کے پہلو میں دفن کیا جائے چنانچہ قبر کشائی کی گئی تو دونوں صحابیوں کے جسد اطہر بالکل صحیح و سالم تھے۔ یہاں تک کہ کفن بھی میلا نہ ہوا تھا۔ یہ واقعہ 1935ء کا ہے' تب دنیا بھر کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی۔ یہاں ایک مقام پر مسجد

امام حسن عسکری علیہ السلام بھی موجود ہے۔ یہاں دو رکعت نفل پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔

طاق کسریٰ

ہم لوگ طاق کیسریٰ دیکھنے گئے جو کسی زمانے میں ایک عالیشان محل ہوا کرتا تھا۔ اس کا ایک حصہ کسی حد تک اب بھی محفوظ ہے۔ حکومت اسے محفوظ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ واقعی یہ قابل دید چیز ہے۔ ہم نے اس کی ایک تصویر بھی بنائی۔

کسریٰ' تاجداران ایران کو کہا جاتا تھا۔ بالخصوص نوشیروان عادل سے منسوب ہے۔ نوشیروان نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ایک بہت بڑا محل تعمیر کروایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقعہ پر جس محل کے چودہ کنگرے گر گئے تھے' وہ یہی عمارت ہے۔ حضرت علیؑ جب جناب سلمان فارسیؓ کی میت بغرض دفن مدینہ سے مدائن لائے تو اس جگہ پر نماز ادا فرمائی۔ جناب عمار ساباطی سے روایت ہے کہ جب امیرالمومنین مدائن تشریف لائے اور ایوان کسری میں نزول اجلال فرمایا تو آپ کے ساتھ دلف بن بجیر نامی راہب بھی تھا۔ آپ نے وہاں نماز ادا کرنے کے بعد دلف بن بجیر سے فرمایا کہ میرے ساتھ چل۔ اس وقت اہل ساباط میں سے ایک گروہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کسری کے مختلف گوشے دیکھتے اور فرماتے' کسریٰ کے لئے یہاں فلاں چیز تھی' وہاں فلاں چیز تھی' دلف بے اختیار کہتے۔ بخدا آپ درست فرما رہے ہیں' بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں۔ حضرت علیؑ اسی طرح حقائق بیان کرتے جاتے تھے۔ دلف کہتے۔۔۔ اے مولیٰ آپ اس محل کی تمام چیزوں کو اس طرح جانتے ہیں گویا آپ نے اپنے دست مبارک سے ہر جگہ پر رکھا ہے۔

مدائن کی زیارات سے فارغ ہو کر ہم بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں جگہ جگہ ملٹری کیمپ تھے جو اب غیر آباد ہیں۔ ناکارہ کاریں' ٹرک اور دیگر مشینری بکھری پڑی تھی۔ مرسڈیز' ہینو' ٹیوٹا اور دوسری موٹر ساز کمپنیوں کے اسمبلنگ پلانٹس اور ورکشاپ

بھی نظر آئے۔ اب یہ سب کے سب بند پڑے ہیں۔ اقوام متحدہ کی آڑ میں امریکہ کی غنڈہ گردی کا صحیح اندازہ عراق آکر ہی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ ملک زرعی نہ ہوتا تو اس کے لاکھوں باشندے بھوک سے مرجاتے لیکن بے روزگاری نے انہیں گداگر بہرحال بنا دیا ہے۔ ایسے منظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ بڑے بڑے افسر اپنا گھر کا سامان بیچ کر گزر بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ کوئی سفید پوش، سڑک پر بیٹھا استعمال شدہ گھریلو اشیاء بیچ رہا ہو تو آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس پر کیا گزر رہی ہو گی۔ ملک کی تمام صنعت بند پڑی ہے۔ ہوائی اڈے بند ہیں، بندرگاہ بند ہے۔ بازار کھلے ہیں اور دکانوں میں سمگل کی ہوئی چند ایک چیزیں نظر آتی ہیں جن میں سگریٹ خاص طور پر نمایاں ہیں۔ چاکلیٹ اور ٹافیاں مقامی طور پر بن رہی ہیں مگر ان سے پیٹ تو نہیں بھر سکتا۔ قیمتیں پاکستان کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہیں۔ کسی زمانے میں ایک عراقی دینار /58 روپے کے برابر تھا، پھر 11 روپے کا ہوا، آج کل سرکاری طور پر صرف ایک روپے کے برابر ہے۔ مارکیٹ میں چوری چھپے 250 دینار کا نوٹ -/25 پاکستانی روپے میں ملتا ہے۔ اس کے باوجود ہمیں مہنگائی محسوس ہوئی۔ جب ہمارا یہ حال تھا تو مقامی لوگوں پر کیا بیت رہی ہو گی۔

مسجد براثہ

کچھ دیر کے بعد بغداد کے مضافات نظر آنا شروع ہو گئے۔ ہمارا قافلہ مسجد براثہ، مقام حضرت علیؑ پہ رکا۔ جنگ صفین سے واپس جاتے ہوئے جناب امیر نے یہاں قیام کیا تھا۔

مسجد براثہ مشہور اور متبرک مقام ہے۔ عموماً زائرین اس مسجد کی زیارت کو نہیں جاتے اور اپنے آپ کو اتنی بڑی سعادت اور اس کے فیوض و برکات سے محروم رکھتے ہیں۔ تاریخی حوالوں کے مطابق براثہ، شہر بغداد کے آباد ہونے سے پہلے ایک دیہات تھا۔ امیرالمومنین نے خوارج سے لڑائی کو جاتے ہوئے یہاں نماز ادا فرمائی تھی اور اس بستی کے ایک حمام میں غسل بھی کیا تھا۔ اس مسجد کی فضیلت میں چند اور روایات کے مطابق یہاں حضرت مریمؑ کا گھر ہونا، اس زمین کا حضرت عیسیٰؑ کی ملکیت ہونا۔ یہاں پر حضرت مریمؑ

کے لئے چشمہ کا ظاہر ہونا۔ اس چشمہ کو حضرت امیر علیہ السلام کا دوبارہ جاری کرنا۔ حضرت امام حسنؑ اور حسین علیہ السلام کا یہاں نماز پڑھنا' بہت سے پیغمبروں کا یہاں سجدہ ریز ہونا اور جناب امیر علیہ السلام کے لئے یہاں آفتاب کا پلٹ جانا شامل ہے۔

اس مسجد میں ایک بہت بڑا کالا پتھر رکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مقامی لوگوں نے امیرالمومنین سے کہا کہ آپ کی طاقت اور شجاعت کا بہت شہرہ ہے۔ آپ اس پتھر کو یہاں سے ہٹائیے۔ آپ نے پتھر کو اشارہ کیا وہ نہ صرف اپنی جگہ سے ہٹ گیا بلکہ وہاں سے میٹھے پانی کا چشمہ بھی جاری ہو گیا۔ چشمہ اب بند ہو چکا ہے اور اس پر ایک خوبصورت مینار بنا دیا گیا ہے۔ کالا پتھر ابھی تک موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا بہت سا حصہ لوگ تبرک کے طور پر توڑ توڑ کر اپنے گھروں کو لے گئے ہیں لیکن یہ آج بھی اتنا بڑا اور بھاری ہے کہ کسی صحت مند اور انتہائی طاقتور آدمی کے لئے اسے اٹھانا ناممکن ہے۔ اس پتھر پر ہاتھ رکھا تو نم آلود محسوس ہوا۔ ہاتھ گیلے ہو گئے۔ نمی کا سبب سمجھ میں نہ آیا کیونکہ یہ سخت دھوپ میں مسجد کے کھلے صحن میں رکھا ہوا ہے۔ مسجد کے اندر ایک میز پر ایک اور تراشا ہوا پتھر پڑا ہے جس پر آیات کندہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ پتھر آسمان سے حضرت مریم کے لئے آیا تھا۔ اس پتھر کو مس کرنے سے وہ صحت یاب ہو گئی تھیں۔ آج تک لوگ اس کو مس کرتے آ رہے ہیں اور بیماریوں سے شفا پاتے ہیں۔ یہاں سے تھوڑی دور قدیم بغداد کا قبرستان ہے جس میں حضرت بہلول دانا کا مزار اقدس ہے۔

مزار حضرت بہلول دانا

بہلول دانا' بغداد کے صاحب ثروت لوگوں میں سے تھے۔ انہیں ہارون الرشید کا قریبی عزیز بھی بتایا جاتا ہے۔ آپ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں سے تھے۔ انہوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔ ہارون الرشید نے دیگر نامور لوگوں کے ساتھ ساتھ بہلول سے بھی امام موسیٰ کاظم کے قتل کا فتویٰ طلب کیا تھا۔ بہلول انکار کے نتائج سے واقف تھے۔ اس لئے امام سے رہنمائی کے طالب ہوئے۔

امام علیہ السلام نے ایک ٹھیکری پر حرف "جیم" لکھ کر اسے زندان کے روشن دان سے باہر پھینک دیا۔ اس ایک حرف نے بہلول اور ان کے ساتھیوں پر حکمت و دانش کے دروازے کھول دیئے۔ ایک نے "جیم" سے مراد جلاوطنی لی۔ دوسرے نے "جبل" اور حضرت بہلول نے "جنون"۔ حضرت بہلول مجنون بن گئے اور پاگل پن کے مظاہرہ سے اپنی جان بچانے میں کامیاب رہے۔ اس پاگل پن نے حکومت کے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دی لیکن ایک "مجنون اور پاگل" آدمی کا حکومت کیا کرتی۔ تاریخ میں بہلول دانا کے حوالے سے ہزاروں حکایات ملتی ہیں۔ ان میں حکمت و دانش اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ حضرت بہلول کو جنتی ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔

بہلول دانا' تاریخ کا ایک ایسا یگانہ روزگار کردار ہے جسے آل محمدؐ کے معجزے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ (بہلول' ب پر پیش اور ہ پر جزم) ہنس مکھ' بچے اور حاضر جواب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ان صفات کی وجہ سے ان کا اصل نام فراموش کر دیا گیا۔ ان کا اصل نام وہب بن عمرو اور جائے ولادت کوفہ ہے۔ وہ بغداد کے صاحب ثروت لوگوں میں سے تھے۔ کچھ روایات میں انہیں ہارون الرشید عباسی کا قریبی رشتہ دار بتایا جاتا ہے۔ بہلول؛ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے امام موسیٰ کاظم کے زمانہ میں شہرت پائی جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے' آپ نے "جنون" اختیار کر کے عباسی حکومت سے جان بچالی۔ آپ محیرالعقول کردار کے مالک تھے۔ لوگ انہیں دیوانہ بھی کہتے تھے اور ان کے فضل و کمال کے معترف بھی تھے۔ دراصل وہ دیوانہ تو تھے لیکن آل محمدؐ کے دیوانے تھے۔ انہوں نے سختیاں جھیل لیں' ٹھاٹ باٹ کی زندگی سے محرومی اختیار کر لی مگر راہ حق سے نہ ہٹے۔ ان کے مزار کے قریب ہی جناب یوشع بن نون علیہ السلام کا روضہ ہے۔

حضرت بہلول کے مزار اقدس پر ہمیں ٹھنڈی ہوا اور تیز خوشبو کا احساس رہا۔ پورے کمرے میں خوشبو موجود تھی۔ قبرستان میں ایک کمرہ کے اندر پرانی قبر کے تعویذ پر لوہے کا جنگلا ہے۔ اس پر ایک سبز رنگ کا کپڑا ہے جس سے مسلسل خوشبو آتی رہتی ہے۔

عام خوشبو کی زندگی بہت مختصر ہوتی ہے لیکن یہ خوشبو وقت کی قید سے آزاد ہے۔ اس کا تذکرہ ہم پہلے سے بہت کچھ سن چکے تھے۔

بابا گورونانک کی چلہ کشی

سکھ مت کے بانی بابا گورونانک جب روحانی تقویت کے لئے عازم مکہ و مدینہ ہوئے تو راستے میں حضرت بہلول دانا کے مزار پر رکے اور چلہ کاٹا۔ یوں بہلول دانا کے مزار اقدس سے فیض و برکت حاصل کی۔ گورونانک کی چلہ کشی کی جگہ پر ایک کمرہ بنا کر اس مقام کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔

زندان خانہ امام موسیٰ کاظمؑ

اس روضہ سے ملحقہ ایک زیرِ زمین چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں آدمی صحیح کھڑا نہ ہو سکتا تھا اور نہ ٹھیک طرح لیٹ سکتا تھا' اوپر چمنی تھی۔ اس کمرہ میں ہارون الرشید نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو کئی برس قید رکھا۔ چمنی میں سے چند قطرے پانی اور روٹی مہیا کی جاتی۔ کمرے کا رابطہ باہر کی دنیا سے ایک تنگ سرنگ کے ذریعے تھا۔ امام پاک کو روزانہ اسی سرنگ کے ذریعے باہر آنے جانے کے لئے کہا جاتا جس جگہ وہ سرنگ نکلتی ہے وہاں حضرت یوشعؑ بن نون کا روضہ اقدس ہے۔ آج کل سرنگ کے دہانے پر لوہے کا دروازہ لگا کر بند کر دیا گیا ہے۔ دروازے پر سبز رنگ کا کپڑا پڑا ہے۔ قید خانے کو کنکریٹ ڈال کر بند کر دیا گیا ہے۔ اب صرف ایک نشان باقی ہے۔

حضرت یوشعؑ

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا خلیفہ اور وصی مقرر کیا تھا۔ بنی اسرائیل کی سرداری سنبھالنے کے بعد آپ پر انتہائی پرآشوب دور آیا لیکن آپ نے صبر آزما تکالیف اور مشکلات کے باوجود اپنی قوم کی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے تین بادشاہوں کا زمانہ گزارا۔ جب وہ امرونی میں منتقل ہو گئے تو حضرت موسیٰؑ کی بیوی

صفورہ دختر شعیب کو دو منافقوں نے بھڑکایا اور وہ بنی اسرائیل میں اپنے حامیوں کا ایک لشکر لے کر حملہ آور ہو گئیں۔ اس جنگ میں بیس ہزار افراد مارے گئے۔ صفورہ اسیر ہوئیں۔ جناب یوشعؑ نے ان سے کہا کہ میں تمہارا معاملہ قیامت کے روز اور حضرت موسیٰؑ پر چھوڑتا ہوں۔ حضرت یوشع جناب عیسیٰ علیہ السلام سے 1426 سال پہلے انتقال فرما گئے تھے۔ ان کو حضرت موسیٰؑ سے جو تبرکات ملے تھے وہ انہوں نے حضرت ہارونؑ کے صاحبزادے کے سپرد کیے اور ان کو بنی اسرائیل کا خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔

آپ کا روضہ اقدس بھی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں ہمیشہ ایسا ہی ماحول رہتا ہے۔ آپ کے ساتھ ایک سانپ اور اس کا خاندان رہتا ہے جو زائرین کو کچھ نہیں کہتا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ گزشتہ بارہ روز سے سانپوں کا یہ خاندان کہیں گیا ہوا ہے۔ ان کی جگہ خالی تھی۔ شام کی زیارات سے واپسی پر پھر یہاں حاضری کا ارادہ ہے۔

یہاں سے گزرتے ہوئے ہماری نظر دور تک پھیلے ہوئے ریلوے ٹریک پر پڑی جہاں بوگیاں اور بے شمار گاڑیاں نہ جانے کب سے کھڑی گل سڑ رہی ہیں۔ میں نے اپنے ساتھ بیٹھے سیکرٹ سروس کے آدمی سے اشارے سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ کہنے لگا۔ ریلوے ختم کر دی گئی ہے۔ اب سڑکوں پر سیارے چلیں گے۔ قریب ہی بغداد کا قدیم ریلوے سٹیشن ہے۔ یہ ایک دیدہ زیب عمارت ہے۔ ریلوے کی جائیداد' شیڈ اور سب کچھ ویران اور تباہ حال پڑا ہے۔ اب ہم بغداد شہر کے جدید علاقہ کے ایک خوبصورت ہوٹل "مطعم مطبخ" پہنچے اور مزیدار کھانا کھایا۔

کاظمین الشریفین

مزید 8 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے ہم لوگ دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر کاظمین شریف پہنچے۔ حکومت بنی عباس کے زمانہ میں کاظمین کو بغداد کا قبرستان کہا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ الکاظم علیہ السلام کے دفن کے بعد ان کی مظلومی کے سبب یہ مقام

لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ آپ کے اسم گرامی کی نسبت سے اسے کاظمین کہا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ آبادی بڑھنے لگی۔ آج کل ایک بڑا شہر ہے۔ مکینوں کی اکثریت بغداد میں ملازمت یا کاروبار کرتی ہے۔ دریائے دجلہ کی قربت نے زمین زرخیز بنا رکھی ہے۔ شہر خوبصورت 'کشادہ دو رویہ سڑکیں' پررونق بازار اور زندگی سے بھرپور ہے۔ اس مقام کے لئے جمع کا صیغہ یعنی کاظمین شریفین اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ یہاں دو امام محترم یعنی امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام اور امام تقی علیہ السلام دو خوبصورت طلائی گنبدوں کی عمارت کے نیچے مدفون ہیں۔ باب الحوائج زبان زد خاص و عام ہے۔

یہاں "فندق زمزم" کی دوسری منزل کے کمرہ نمبر 13 میں قیام کیا۔ کاظمین شریف پہنچتے پہنچتے ہمیں ساڑھے سات بج گئے۔ مغرب کا وقت ہو گیا۔ مغربین کی ادائگی کے لئے حرم روضہ حضرت امام کاظمؑ کا رخ کیا۔

روضہ حضرت امام کاظم علیہ السلام کے احوال سے پہلے کچھ ذکر بغداد شہر کا ہو جائے۔ نجف اشرف جاتے ہوئے 3 اپریل کو' پھر کربلا سے واپسی پر 9 اپریل کو شہر کا تقریباً نصف حصہ گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ خوبصورت شہر ہے۔ بڑی بڑی سڑکوں' ایکسپریس ویز اور انڈر پاس وغیرہ کا ایک جال ہے جو شہر کو تمام اہم شاہراہوں سے ملاتا ہے۔ دریائے دجلہ شہر کے بیچوں بیچ گزرتا ہے۔ اس میں پانی فراوانی سے موجزن تھا۔ دریا پر بے شمار پل ہر علاقے کو دیگر علاقوں سے مربوط کئے ہوئے ہیں۔ شہر میں کہیں بھی ٹریفک کا کوئی مسئلہ نظر نہ آیا۔ چھوٹی بڑی گاڑیاں رواں دواں رہتی ہیں۔ پرانا شہر معدوم ہوتا جارہا ہے۔ سکائی اسکیپر تعمیر ہو رہے ہیں۔ اگر عراق کا ایران سے اور پھر کویت امریکہ سے پھڈا نہ ہو جاتا تو جس رفتار سے یہاں کام ہو رہا تھا آج یہ علاقہ دنیا کے ترقی یافتہ اور خوشحال علاقوں میں سے ایک ہوتا۔ صدام حسین آج کل زیارات کے مقامات پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔ پتہ نہیں یہ تبدیلی قلب ہے یا سیاحت کو فروغ دینے کی کوشش؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ --- "پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے"

کاظمین پہنچ کر پہلے حرم کے صدر دروازے کی تصویر بنائی۔ ضریح مبارک کا طواف

کیا۔ فرض اور نوافل ادا کئے۔ اپنے اور اپنے سب دوستوں جاننے والوں اور بالخصوص ان احباب کے لئے دعا کی جنہوں نے التماس دعا کی تھی۔ پھر بازار میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دونوں صاحب زادوں کے مزارات پر حاضری دی۔ کچھ عرصہ پہلے تک حکومت نے یہ نشانات تقریباً ختم کر دیئے تھے۔ مساجد بنا دی گئی تھیں لیکن اب پھر گنبد بنا دیئے گئے ہیں۔ اندر سے ضریح کی زیارت کی سہولت بھی مہیا کر دی گئی ہے۔ اسی حکومت نے زیارات ختم کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی حکومت کے ذریعے پوری آب و تاب کے ساتھ بحال کروا دیا ہے۔

حضرت امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام اور حضرت محمد تقی علیہ السلام کی ضریح مبارک ایک ہی ہے۔ یہ ضریح بھی حضرت امام حسین علیہ السلام' حضرت عباس علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام کی ضریحوں جیسی خوبصورت ہے۔ روضہ کا مغربی دروازہ اندر سے منقش ہے۔ اس کو لوہے کا جال لگا کر سہارا دیا گیا ہے۔ دروازے کی بوسیدگی ظاہر کرتی ہے کہ اس پر انتہائی تاخیر کے ساتھ توجہ دی گئی۔ مزید خستگی سے بچانے کے لئے لوہے کے جال کا استعمال کیا گیا ہے۔ روضہ کے اندر اور باہر' زائرین کا بے پناہ ہجوم رہتا ہے۔ یہاں پر مدفون ہستیوں میں (1)ابن قولویہ استاد شیخ مفید (2)شیخ ہند' (3)شیخ صدوق شامل ہیں۔ جوار رحمت کے ان باشندوں پر اللہ کی خاص رحمت ہے لیکن اب یہاں محض نام کی حد تک نشانات موجود ہیں۔ الگ الگ قبور نظر نہیں آتیں۔

ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک قبیلہ کے ایک بزرگ کو یہاں دفن کیا گیا۔ چند روز بعد امام نے خواب میں بتایا کہ آگ لگی ہے' دھواں اٹھ رہا ہے۔ ملک کی قبر کھولی گئی تو دیکھا اندر آگ نے سب کچھ جلا کر راکھ کر دیا ہے چنانچہ قبر کو صاف کر دیا گیا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتویں خلیفہ برحق اور مسلمانوں کے ساتویں امام اور فہرست چودہ معصومین کی نویں کڑی ہیں۔ آپ 128ھ (745ء) میں بمقام ابوا (مکہ اور مدینہ کے درمیان) پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اور والدہ ماجدہ جناب حمیدہ تھیں۔ آپ کے القاب عبد صالح، نفس ذکیہ، صابر، امین، باب قضا الحوائج زین المجتہدین اور کاظم ہیں۔ آپ کی زیادہ شہرت کاظم نام سے ہے۔ کاظم اس لئے کہتے ہیں کہ آپ نہایت حلیم تھے جو لوگ آپ پر ظلم کرتے تھے، ان کو ہمیشہ معاف کر دیتے تھے۔

20 سال کی عمر میں امام مقرر ہوئے۔ 35 سال تک رشد و ہدایت فرماتے رہے۔ 55 سال کی عمر میں (183ھ) میں قید خانہ میں زہر کے ذریعے آپ کی وفات ہوئی اور مقام کاظمین میں دفن ہوئے۔ خلفاء بنی عباس آپ کو اپنی سلطنت کے لئے خطرہ سمجھتے تھے چنانچہ ہمیشہ قید رکھا۔ کہتے ہیں کہ آپ کو ہارون الرشید کے حکم پر یحییٰ برمکی (وزیراعظم) نے خرمہ میں زہر دے کر شہید کیا۔ وفات کے بعد آپ کی نعش مبارک قید خانہ سے نکال کر بغداد کے پل پر ڈال دی گئی۔ نہایت توہین آمیز الفاظ میں آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو یاد کیا گیا۔ لوگ بادشاہ کے خوف سے نعش مبارک کے قریب آنے کی جرأت نہیں کرتے تھے لیکن ایک گروہ نے سردار سلیمان بن جعفر کی سرکردگی میں ہمت کی اور نعش مبارک دشمنوں سے چھین کر غسل و کفن کا بندوبست کیا۔ ایسا قیمتی کفن پہنایا گیا جس پر پورا قرآن پاک تحریر تھا۔ تزک و احتشام سے جنازہ اٹھایا گیا۔ لوگوں کے گریبان غم امام مظلوم میں چاک تھے۔

آپ کی تدفین کے لئے حضرت امام رضا علیہ السلام باعجاز امامت مدینہ سے تشریف لائے اور والد محترم کی نماز جنازہ پڑھائی۔ تدفین کے بعد حضرت امام رضا علیہ السلام واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ والوں کو جب آپ کی شہادت کا علم ہوا تو کہرام مچ گیا۔ ماتم

اور تعزیت کے لئے لوگوں کی آمد کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔

کاظمین شریفین میں مدفون دوسری شخصیت محترم' حضرت امام محمد تقی ہیں۔ آپ مسلمانوں کے نویں امام اور گیارھویں معصوم ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت 195 ہجری (811 عیسوی) میں ہوئی۔ آپ کا نام والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام نے محمد علیہ السلام رکھا۔ آپ کی کنیت ابو جعفر اور القاب جواد' قانع اور مرتضٰی ہے۔ مشہور ترین لقب تقی تھا۔ 220ھ میں معتصم نے آپ کو زہر سے شہید کیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک صرف 25 سال تھی۔ مامون رشید عباسی نے آپ کی کرامات' ہدایات اور ارشادات سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی ام الفضل امام محترم کے عقد میں دے دی۔ اس کے بعد آپ ایک سال تک بغداد میں رہے پھر اپنی زوجہ سمیت مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ زیادہ تر نشست مسجد نبوی میں رہتی۔ مسلمان آپ کے وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے۔

عباسی معتصم نے اقتدار میں آتے ہی امام محترم کو مدینہ سے بغداد کی طرف جبراً بلوایا۔ حاکم مدینہ' عبدالمالک کو اس بارے میں تاکیدی خط لکھا۔ آپ کو قید کر دیا گیا۔ ایک سال تک آپ نے قید کی سختیاں برداشت کیں۔ آپ پر ظلم و ستم اس لئے کیا گیا کہ آپ کمالات امامت کے حامل کیوں ہیں۔

شہادت کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السلام باعجاز امامت مدینہ سے تشریف لائے اور والد ماجد کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی۔ آپ کو اپنے جد نامدار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا گیا چونکہ آپ کے دادا کا لقب کاظم اور آپ کا لقب جواد تھا اسی لئے شہر کو کاظمین اور وہاں کے ریلوے اسٹیشن کو جوادین کہا جاتا ہے۔

سامرہ

10 اپریل 1998ء' صبح ساڑھے سات بجے بقیہ زیارات کی سعادت کے لئے سیارہ میں بیٹھے۔ کاظمین سے تقریباً 75 کلومیٹر دور شاہراہ موصل پر سامرہ کا قصبہ تھا۔ یہ ایک قدیم ترین شہر ہے۔ اسے حضرت سام بن نوح علیہ السلام نے آباد کیا اور اس کا نام سام راہ

رکھا۔ اسے سر من رائے یعنی خوبصورت شہر بھی کہتے تھے۔ دجلہ کے کنارے آباد اس شہر کو اب "سامرہ" کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک ہی روضہ میں درج ذیل عظیم ہستیاں مدفون ہیں:

① حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

② حضرت امام علی نقی علیہ السلام

③ بی بی حکیمہ خاتون جنت بنت امام محمد تقی علیہ السلام

④ بی بی نرجس خاتون والدہ محترمہ جناب صاحب العصر

تین قبریں ایک ضریح میں ہیں جبکہ مؤخر الذکر قبر' ان قبور سے متصل بھی ہے اور علیحدہ بھی کیونکہ اس پر ایک ضریح نصب ہے۔

یہی مقام حضرت حجتہ السلام علیہ السلام کا مقام غیبت ہے۔ نیچے تہہ خانہ ہے جس میں آپ کو قید رکھا گیا۔ اس زمانے میں یہاں ایک کنواں ہوا کرتا تھا جو اب بند ہے۔ صرف نشان باقی ہے۔ اس مقام پر امام عصر' ایام طفولیت میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے حکم پر چھپا دیئے جایا کرتے تھے۔ بعد میں عباسی دور میں یہ آپ کا قیدخانہ بھی بنا اور پھر آپ یہاں سے غائب ہو گئے' اس جگہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی ایک بڑی مسجد بھی موجود ہے۔ یہ سب کچھ ایک ہی چار دیواری میں واقع ہے۔

اس زیارت کی کشش میں بھی لاکھوں لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ نظر آتا ہے کہ حکومت بھی ان مقامات کی دیکھ بھال پر توجہ دے رہی ہے۔ اب تک ہم نے جتنے روضوں کی زیارت کی ہے ان سب میں سونے کا بہت زیادہ استعمال نظر آیا ہے۔ دروازے' گنبد' ضریح' دیواروں پر آیات کے لئے کندہ کاری سب جگہ سونے اور چاندی کا بے پناہ استعمال کیا گیا ہے۔ دیگر کندہ کاری اور شیشہ کی پچکاری الگ سے اعلیٰ مہارت اور ذوق لطیف کی آئینہ دار ہے۔

سامرہ میں زیارات کا شرف حاصل کرنے اور نوافل ادا کرنے کے بعد ہم لوگ اپنے "سیارے" کے ذریعے "بلند مینارہ" سے ہوتے ہوئے' عباسیوں کے زندان کی طرف روانہ ہوئے۔ دیکھا کہ عراقی حکومت سر من ئے اور سامرہ کو مٹنے سے بچانے کے لئے

کام کر رہی ہے۔ جنگ سے پہلے کام شروع ہوا تھا۔ تاہم آج کل کام بند ہے۔ نمرود کے زمانے کے آثار قدیمہ کھنڈر کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ ان کھنڈرات کے گرد بہت بڑے علاقے میں خاردار تار لگا کر زمانے کی دستبرد سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یہاں ایک بڑی جیل اور مخصوص قید خانہ بھی موجود ہے۔ ابھی تک اچھی حالت میں موجود ہے۔ یہیں وہ مقام بھی موجود ہے جہاں معتصم باللہ بیٹھ کر حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی قید و بند کی کیفیات سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ اس قید خانہ میں ایک سرنگ بنا کر حضرت امام کو اس میں گھومنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ سرنگ کے درمیان تین فٹ مربع' گولائی میں ایک بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ اس کے اوپر دس بارہ فٹ بلندی پر چمنی بنی ہوئی ہے۔ اسی چمنی کے ذریعے حضرت امام کو کھانے پینے کی اشیاء فراہم کی جاتی تھیں۔ اس قید خانے کے باہر شاہی نخوت کے ساتھ تحریر ہے کہ معتصم ثانی موجودہ حکمران ہے۔ اس کی ایک تصویر بھی لگائی گئی ہے۔

السید محمد بن امام علی نقیؑ

یہاں سے نصف گھنٹے کی مسافت پر حضرت امام السید محمد بن امام علی نقی علیہ السلام کا روضہ ہے۔ آپ حضرت امام علی نقی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ بڑے جلالی اور شان و عظمت کے مالک تھے۔ آپ کو امام علی نقی کی زندگی ہی میں ان کا جانشین سمجھا جاتا تھا لیکن آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور آپ والد محترم کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ آپ کی وفات پر کمسنی میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے گریبان چاک کیا اور گریہ و ماتم کیا۔ آپ کو سامرہ کے قریب "بلد" میں دفن کیا گیا۔ یہ مقام اب "السید محمد" کے نام سے مشہور ہے۔ لوگ دور دراز سے یہاں آتے ہیں۔ اپنی مرادیں پوری ہونے پر یا نئی منتیں ماننے کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ایک طویل و عریض احاطے کے باہر سینکڑوں گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اندر پہنچ کر وضو کیا اور زیارت کے لئے حاضری دی۔ ایک خوبصورت ضریح کے گرد لوگ گریہ و زاری میں مصروف تھے۔ دعائیں مانگی

جارہی تھیں۔ خواتین و مرد ایک دوسرے سے بے نیاز محو عقیدت و دعا تھے۔

میں بڑی مشکل سے ضریح تک پہنچ پایا۔ پھر تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر نماز کے لئے مخصوص حصہ میں نماز ادا کی۔ ظہر اور عصر کی نماز کے وقت ہجوم میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ ہم سب ''السید محمد'' کے مہمان تھے۔ دوپہر کا کھانا ان کی طرف سے ہر زائر کو پیش کیا جاتا ہے۔ ہمیں خاص طور پر علیحدہ خادموں کے کمرے میں بٹھایا گیا اور وہیں کھانا عطا کیا گیا۔ یہاں قربانی کے تازہ پکے گوشت کے ساتھ مسافرت میں پہلی بار ہاتھ کی پکی چپاتی کھانے کو ملی، بےحد لطف آیا۔ بالکل گھر کا سا سماں تھا۔ بعد میں قہوہ پیش کیا گیا۔ قہوہ عربوں کی مخصوص روایت ہے۔ یہ خوش ذائقہ ہونے کے ساتھ ساتھ کھانے کو ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ''السید محمد'' کے بارے میں بے شمار واقعات کتابوں میں درج ہیں اور یقیناً آپ کی نظر سے بھی گزرے ہوں گے اس لئے میں انہیں دہرانے سے گریز کر رہا ہوں۔

اس علاقہ میں بلکہ پورے عراق میں کوئی شخص آپ کی جھوٹی قسم کھانے کی جرأت نہیں کرتا۔ ہر شخص آپ کا احترام کرتا ہے اور آپ کا نام آجانے کے بعد جھوٹ بولنے سے ڈرتا ہے۔ یہاں پچاس کے قریب خادم دن رات زائرین اور روضہ مبارک کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ آپ کے مزار سے آج تک کبھی کوئی چیز چوری نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ یہاں کسی کو چوری کی جرأت ہی نہیں ہوتی، ہاتھ کے ہاتھ سزا مل جاتی ہے۔ دور دراز سے آئے ہوئے زائرین روضہ مبارک کے برآمدوں میں بیٹھے تھے۔ ان کی نشست، نذرانہ عقیدت ہوتی ہے۔ اس علاقہ میں کسی بھی قسم کا جھگڑا ہو، السید محمد کی قسم پر ختم ہو جاتا ہے۔

السید محمد کی زیارت سے شرف یاب ہونے کے ساتھ ہی عراق کی زیارات کا ہمارا سفر تمام ہوا۔ اب واپس کاظمین کے لئے روانہ ہوئے۔ 8 گھنٹے کے سفر و حضر کے بعد چار بجے اپنے اپنے کمروں میں استراحت کے لئے جا پہنچے۔ طے ہو چکا تھا کہ شام کو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور دیگر زیارات پر الوداعی سلام عرض کریں گے، کل صبح نماز فجر بھی حرم میں ہی انشاء اللہ پڑھی جائے گی۔

شام کے قریب ہوٹل سے نکلے۔ مغربین حرم میں ادا کیں، نوافل پڑھے۔ زیارات ضریح مبارک حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور حضرت امام علی تقیؑ کیں۔ یہاں حرم میں داخلہ سے پہلے باب المراد کا ملحقہ حصہ جو بازار کے ساتھ ہے اور حرم کا حصہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ایک علیحدہ حصہ ہے اس کا ایک دروازہ حرم میں ضرور نکلتا ہے۔ اس میں دو قبہ ہیں۔ بازار کی طرف حضرت یوسف کا قبہ ہے۔ دوسرے قبہ میں جو صحن حرم سے متصل ہے دو قبور ہیں۔ ایک امام زادہ حضرت ابراہیمؑ اور دوسری امام زادہ حضرت اسمٰعیلؑ کی ہے۔ یہ دونوں فرزندان امام موسیٰ کاظمؑ تھے۔ ان کے بارے میں حکم ہے کہ صرف فاتحہ پڑھی جائے چنانچہ فاتحہ پڑھی اور صحن حرم میں آگئے۔ چند ایک تصاویر بنائیں اور نو بجے واپس اپنے ہوٹل زمزم میں آگئے۔ رات کے کھانے میں آدھے کچے، پکے چاول اور آلو تھے۔ تھوڑا بہت کھانا کھایا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ کل انشاء اللہ حرم میں نماز فجر ادا کر کے شام کے لئے روانگی ہو گی۔

بارود پر سفر

11 اپریل 98ء کو بغداد کاظمین سے صبح سوا نو بجے شام کے لئے "حرش" کی بس سے روانہ ہوئے۔ یہ واحد کمپنی ہے جس کی بس سروس "ٹرانزٹ" کے لئے چار پانچ عرب ملکوں میں چل رہی ہے۔ گاڑی میں بیٹھے تو پٹرول کی تیز بو نتھنوں میں در آئی۔ میں سمجھا ابھی دھل دھلا کر آئی ہے اور غالباً پانی کی بجائے پٹرول سے دھوئی گئی ہے، تھوڑی دور چلیں گے تو بو ختم ہو جائے گی۔ بغداد شہر کی خوبصورت سڑکوں، پارکوں، انڈر اور اوور ہیڈ بیرکوں (پلوں) اور دریائے دجلہ کے کنارے کنارے چلتے ہوئے ہم خود کو باہر کے نظاروں میں محو رکھے ہوئے تھے کہ ایک موڑ پر بس کی چھت درخت کی شاخوں سے ٹکرائی تو پٹرول کی بو تیز ہو گئی اور پھر چھت سے باقاعدہ پٹرول ٹپکنے لگا۔ پتہ چلا کہ چھت پر اور بس کی ہر اس جگہ پر پٹرول رکھا ہوا ہے جہاں پر سامان رکھتے ہیں۔ عراق میں پٹرول دس دینار

(ایک روپے) لیٹر ہے۔ جبکہ شام میں منگا ہے چنانچہ شام جانے والی بسیں مسافروں کے ساتھ ساتھ پٹرول کی بڑی مقدار بھی سرحد پار لے جاتی ہیں۔ آج کل زائرین بڑی تعداد میں آجا رہے ہیں اس لئے دمشق اور اردن کے راستے زائرین کی بسوں میں مقامی ضرورت کی اشیاء بھی آجاری ہیں۔ کھجور یہاں چار روپے کلو ہے۔ زائرین کی بدولت عراق کے زرمبادلہ کا مسئلہ کسی حد تک حل تو ہوا ہے لیکن وسیع طور پر نہیں۔ ضروریات زندگی کی چیزیں بھی بازاروں کی رونق بڑھا رہی ہیں۔ ایرانی زائرین' طویل سفر کے بعد' اردن کے راستے "ترابیل" اور دمشق کے راستے "ولید" سرحدی چوکی کے ذریعے عراق میں داخل ہو رہے ہیں اور بہت بڑی تعداد میں آرہے ہیں۔ انہیں ایرانی انقلاب اور عراق کے ساتھ جنگ کے 18 سال بعد پہلی بار زیارتوں کی اجازت ملی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عراق کی طرف سے داخلے کی اجازت ملی ہے۔ اگر یہ زائرین کرمان شاہ' قصر شیریں کے راستے' خسروی کے بارڈر سے داخل ہوں تو 6 گھنٹے میں کربلا پہنچ سکتے ہیں لیکن ایرانیوں کے لئے ابھی یہ بارڈر بند ہے۔ پاکستانی اسی بارڈر سے عراق کے "المنظری" چیک پوسٹ میں داخل ہوتے ہیں۔

ہمارا قافلہ سوئے شام محو سفر تھا کہ بغداد کی ایک بڑی شاہراہ پر ہماری بس روک لی گئی۔ ہمارے ساتھ "یاجوج ماجوج" بھی تھے۔ وہ ڈرائیور سے بحث کرنے لگے۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اتنے میں ٹریفک کا ایک سپاہی وہاں آگیا لیکن ڈرائیور سے گفتگو کے بعد وہ بھی واپس چلا گیا۔ تقریباً بیس پچیس منٹ کے بعد ایک خوفناک مونچھوں والا آدمی دو ڈبے وائسرائے سگریٹ کے پکڑے ہوئے گاڑی میں داخل ہوا اور السلام علیکم کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے 250 دینار کے کرنسی نوٹوں کی ایک گڈی جیب میں رکھی۔ سگریٹ سلگائی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے چل پڑا۔ معلوم ہوا کہ اصل ڈرائیور یہی ہے اور اسی کے انتظار میں بس کھڑی تھی۔ کلیز صاحب ابھی ابھی ابتدائی کام مکمل کر کے آئے تھے۔

ایک بار پھر خوبصورت سڑکوں پلوں پر سے گزرتے ہوئے ہم بغداد' ولید' ترابیل

موٹروے پر داخل ہوئے۔ یہ موٹروے بغداد کو بصرہ سے بھی ملاتی ہے۔ بغداد سے ولید (شام کا بارڈر) کا فاصلہ 550 کلومیٹر ہے۔ دوسری طرف بغداد سے بصرہ کا فاصلہ بھی تقریباً 550 کلومیٹر ہی ہے۔ اس موٹروے پر سفر کر کے اندازہ ہوا کہ اصلی موٹروے کیا ہوتی ہے۔ یہ سفر بغیر کسی تھکاوٹ کے چھ گھنٹے میں طے ہو گیا۔ سارے راستے پٹرول کی بو اور کسی ہولناک حادثے کے اندیشہ نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ہر وقت ایک خطرہ موجود تھا کہ پٹرول کی موجودگی کسی حادثہ کو جنم دے سکتی ہے۔ ایک بارود ہے کہ جس پر مسلسل سفر ہو رہا ہے۔ بیگم بھی بار بار میری توجہ اس بو کی طرف مبذول کراتی رہیں۔ میرے پاس جواب میں صبر کی تلقین اور دعا کے علاوہ کیا تھا۔ یہی کہتا رہا کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ بارود کے ساتھ اس سفر میں حفظ و امان عطا کرے۔

شام کی دہلیز پر

ولید چیک پوسٹ پر پہنچے تو "کرپشن" گھات لگائے منتظر تھی۔ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ نذرانہ پیش کرنا پڑ رہا تھا: سگریٹ کے ایک یا دو پیکٹ' 250 دینار کے 5 یا دس نوٹ حسب معاملہ تقسیم ہو رہے تھے۔ ڈرائیور اپنے مال کی وجہ سے رشوت پیش کر رہا تھا تو قافلہ سالار اپنا وقت اور چھان پھٹک کے چکر بچانے کے لئے عراقی اہلکاروں کی مٹھی گرم کر رہا تھا چنانچہ نہ کسی کا سامان چیک ہوا اور نہ بس کو کھنگالا گیا۔ محض خانہ پری ہوئی۔ بہر طور پون گھنٹے میں ولید چیک پوسٹ کے 6 مرحلے مکمل ہوئے۔ زائرین کے پاس تو قابل اعتراض کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ ان کا ویزا بھی بارڈر پر لگتا ہے اور یہ ان کی صوابدید پر ہے جسے چاہیں انکار کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ مٹھی گرم کئے بغیر گزارا نہیں۔ یہاں سے چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر شام کا بارڈر "تنف" ہے۔

تنف پہ بھی صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ ڈالر بانٹتے بانٹتے چھ سات مرحلوں میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ آخری چوکی پر ایک شامی اہلکار نے مجھ سے میرا شاندار قیمتی پن مانگ لیا۔ یہاں سے تین چار اہلکار بن بلائے مہمانوں کی طرح ہماری بس

میں آبیٹھے اور ڈرائیور سے اونچی آواز میں گپ شپ کرنے لگے۔ ڈرائیوروں کو ان سے روزانہ واسطہ پڑتا ہے اس لئے بڑی خندہ پیشانی سے ان کی خوش گپیوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ہم نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا کہ ڈرائیور کی مجبوری ہے' برداشت کرتے رہے۔

شام

دمشق میں آمد

تقریباً دو سو کلومیٹر چلنے کے بعد ایک سروس اسٹیشن آیا' یہاں بس رکی۔ ہم نے نماز ادا کی۔ کھانا کھایا اور تازہ دم ہو کر بقیہ 150 کلومیٹر سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔ شام میں داخل ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے ہم پاکستان میں آگئے ہیں۔ سڑکیں انتہائی بوسیدہ و خستہ حالت میں تھیں۔ کچھ دور چلنے کے بعد نسبتاً بہتر سڑک پر آگئے۔ رات ساڑھے گیارہ بجے دمشق کے خوبصورت شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کی مختلف شاہراہوں سے ہوتی ہوئی ہماری بس تقریباً ساڑھے بارہ بجے "ہاشمیہ اپارٹمنٹس" پہنچی۔ راستے میں چلتی بس میں سے حرم مطہر بی بی حضرت زینبؑ کی زیارت کی۔ ہماری رہائش حرم محترم سے ایک فرلانگ سے زیادہ فاصلہ پر نہیں۔ کل اتوار ہے پہلا کام انشاء اللہ بچوں کو فون کرنا ہو گا۔

جب ہم شام کے بارڈر "تنف" پر ویزہ وغیرہ کے لئے کھڑے تھے تو ایک انتہائی دلکش منظر دیکھنے کو ملا تھا۔ ہماری گھڑیوں میں عراق کے وقت کے مطابق 8 بجے تھے' مغرب میں سورج غروب ہونے کے لئے بتدریج نیچے سرک رہا تھا۔ مشرق میں چاند طلوع ہو رہا تھا۔ بہت خوبصورت منظر تھا۔ دونوں افق پر یکساں بلندی پر چاند اور سورج تھے۔ ایک طرف شفق بکھری ہوئی تھی تو دوسری طرف نیلگوں ٹھنڈک پھیل رہی تھی۔ فطرت کے یہ حسین مناظر بہت کم کم نظر آتے ہیں اور پھر آج کی مصروف ترین زندگی میں ایسے لمحوں کا موقعہ ہی کب ملتا ہے۔

جناب شلیبی سے ملاقات

12 اپریل 1998ء ناشتہ کے بعد اہلیہ کو بی بی زینب سلام اللہ علیہ کے روضہ پر چھوڑا اور جاوید زیدی کے ساتھ دمشق میں سیاحت کے وزیر جناب شلیبی سے ملنے کے لئے ٹیکسی پکڑی۔ ان کے دفتر پہنچے اور خاصے متاثر ہوئے۔ انتہائی قرینے اور سلیقے سے مقامی ثقافت کے مطابق دفتر کی تزئین و آرائش کی گئی تھی۔ پہلی نظر میں ہی سب کچھ بہت شاندار لگا۔ گھر بھی اسی عمارت میں تھا۔ جناب شلیبی، حافظ الاسد کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ پینسٹھ، ستر برس کی عمر ہوگی۔ سر کے بال سفید ہیں۔ صحت بہت اچھی ہے۔ خوش گفتار اور خوش مزاج آدمی ہیں۔ بڑے تپاک اور وضع داری سے ملے۔ چائے پلائی زیادہ وقت نہ دینے کی معذرت چاہی اور ہمارے ساتھ ایک تصویر بنوائی۔ ہم نے واپسی کی اجازت طلب کی تو ہماری رہائش "الھاشمیہ" آنے کا وعدہ کیا اور روایتی گرم جوشی سے رخصت کیا۔

ہاشمیہ اپارٹمنٹس--- زائرین کے لئے خاص طور پر حضرت زینبؑ کے روضہ اقدس کے قریب حال ہی میں تعمیر کروائے گئے ہیں۔ بلڈنگ میں فلیٹ سسٹم ہے۔ اکاموڈیشن اعلیٰ درجہ کی ہے۔ کمرے کشادہ، روشن اور ہوادار ہیں۔ باتھ روم صاف ستھرے، گرم اور ٹھنڈے پانی کا معقول انتظام ہے۔ پینے کے پانی کا مناسب اور خاطر خواہ انتظام ہے۔

حافظ الاسد، صدر مملکت ہونے کے ساتھ ساتھ بعث پارٹی کے بھی صدر ہیں۔ عراق کی طرح شام میں بھی صدر مملکت (صدر اسد) کی تصاویر جگہ جگہ آویزاں ہیں لیکن عراق کے برعکس صرف موزوں اور مناسب مقامات پر دکھائی دیتی ہیں۔ ان کا بڑا بیٹا باسم اہل بیت سے محبت میں شیعہ ہو گیا تھا چنانچہ اس نے بی بی زینب کے روضہ کی تعمیر و توسیع اور تزئین و آرائش کے ساتھ ساتھ دیگر زیارات پر بھی زائرین کی سہولت کے لئے خصوصی انتظامات کئے۔ ان اقدامات کے لئے مالی وسائل کا بڑا حصہ حکومت ایران نے مہیا کیا۔ جناب شلیبی کی باسم کے ساتھ بہت دوستی تھی۔ دونوں اہل بیت کی محبت سے سرشار تھے۔ شلیبی، کفیل کے طور پر اپنی ٹریول ایجنسی چلا رہے ہیں اور وزیر سیاحت بھی ہیں۔ زائرین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

احوال دمشق

دمشق ایک تاریخی شہر ہے۔ قدیم ترین انسانی بستی ہے۔ قدم قدم پر مختلف ادوار بکھرے نظر آتے ہیں لیکن اموی دور کے نقوش جگہ جگہ نمایاں طور پر ملتے ہیں۔ ہم نے ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے سرراہ بازار شام' دربار یزید اور گورستان دمشق دیکھا۔ متعدد مقامات پر مسجدوں پر معاویہ کا گول مینار اور اوپر الٹے چاند کا نشان دیکھا۔ راستے میں ایک جگہ رکے اور لاہور فون کیا۔ راشد اور ندیم سے دو منٹ بات ہو سکی۔ 250 لیرا خرچ آیا۔ مارکیٹ میں کرنسی کا کاروبار بند ہے۔ چوری چھپے جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ بنک ریٹ سے کچھ زیادہ ہی دیتے ہیں۔ ہم نے ایک روپے کے عوض ایک لیرا حاصل کیا۔ باسل کی تعریف زبان زد خاص و عام ہے۔ کچھ عرصہ پہلے وہ ٹریفک کے ایک حادثہ میں جاں بحق ہو گیا تھا۔ بنو امیہ کے رشتوں ناطوں کی یہاں کوئی کمی نہیں۔ یزید کی نسل بھی یہیں آباد ہے تاہم وہ اپنے نام کے ساتھ یزید شاذ و نادر ہی لکھتے ہیں۔ کسی قابل ذکر آدمی کے نام کے ساتھ (نام کا پہلا یا دوسرا حصہ) یہ لفظ سننے میں نہیں آیا۔ یہ حضرت زینبؑ کا اعجاز ہے کہ آج دمشق میں بھی واقعہ کربلا کے ذمہ دار ذلیل و رسوا ہیں۔ حضرت زینب علیہ سلام اللہ کے مرقد مبارک پر ایک مدرسہ زینبیہ اور بڑی مسجد' مسجد زینبیہ موجود ہے۔ اس کے دو میناروں سے بیک وقت شیعہ اور سنی دونوں مسالک کی اذانیں گونجتی ہیں۔ اس مسجد میں نماز باجماعت اپنے اپنے عقیدے کے مطابق مل کر پڑھی جاتی ہے۔ یہ ایک بہت اچھی روایت ہے۔ وسیع القلبی اور اعلیٰ ظرفی کی یہ عین اسلامی روایت ہے۔ کاش تمام عالم اسلام اس پر عمل پیرا ہو جائے۔

دمشق چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ طرز تعمیر قدیم سے جدید میں تبدیل ہوتا جارہا ہے۔ کثیر منزلہ عمارتیں' یورپی انداز کی شاہراہیں' شاہراہوں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے لوگوں میں مغربی اور عربی ملبوسات کا امتزاج! ماحول خوشگوار اور موسم معتدل' عرب دنیا کا ایک اچھا شہر لگا۔ ہر شاہراہ کے شروع میں ایک علامتی دروازہ بنا ہوا ہے۔ یہاں سے

رات کو بیروت کی روشنیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اگر گولان کی پہاڑیاں شام کو واپس مل جائیں تو وہاں سے تل ابیب بھی نظر آنے لگے۔ دمشق میں مہنگائی بہت زیادہ ہے۔ اکثریت غریب لوگوں کی ہے۔ پرانے شہر کے کچے مکانات بھی ابھی واضح طور پر موجود ہیں۔ سربفلک پلازے تو خیر نہیں البتہ کثیر منزلہ (تین چار منزلہ) عمارتیں ضرور ہیں۔ چار چار منزلہ فلیٹوں پر مشتمل عمارتیں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ ٹیکسیاں بہت ہیں لیکن ٹیکسی ڈرائیور کرایہ بھی بہت مانگتے ہیں۔ ڈرائیور سے سودے بازی صرف وہی کر سکتا ہے جسے شہر کا حدود اربعہ معلوم ہو اور فاصلوں سے آگاہ ہو۔ عام سیاح اور زائر تو قربانی کا بکرا بن جاتے ہیں۔ صبر کے علاوہ ان کے پاس چارہ بھی کوئی نہیں ہوتا۔ یہاں وہی معاملہ ہے جو عراقی ایرانی بارڈروں پر درپیش ہوتا ہے اس کے لئے آپ کے پاس دو قسم کا خون ہونا چاہیے۔ ایک وہ جو رگوں میں دوڑتا ہے اور دوسرا وہ جو ایک جیب سے دوسری جیب میں بہتا چلا جاتا ہے۔ جیبوں میں بہنے والے خون کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔ اس سے کام بھی آسان ہو جاتا ہے اور بندے کے ساتھ ساتھ آقا بھی خوش ہو جاتا ہے۔

روضہ اقدس بی بی زینبؑ

بی بی زینب سلام اللہ علیہ کا روضہ انتہائی خوبصورتی اور ذوق نظر کے ساتھ ڈیزائن کیا گیا ہے۔ ضریح مبارک بھی سونے کے ورقوں سے لکھی گئی آیات قرآنی سے مزین ہے۔ لوگوں کا ہجوم ہروقت انہیں شہدائے کربلا کا پرسہ دیتا نظر آتا ہے۔ مظلوم کربلا' بی بی زینبؑ کا کردار تاریخ میں انتہائی بلند و برتر ہے۔ آپ کے کردار نے تاریخ اسلام کا رخ موڑ دیا۔ اپنے بھائی اور دیگر شہدائے کربلا کی قربانیوں کو ایسے دردناک اور پراثر انداز میں پیش کیا کہ حق و باطل کا امتیاز ایک اور پہلو سے ریکارڈ پر آگیا۔ دربار یزید میں آپ نے جس طرح اپنے شہید بھائی کا مقدمہ پیش کیا اس سے یزیدی قوتوں کی بنیادیں ہل گئیں۔ ٹھیک اسی لمحے ان کا زوال شروع ہو گیا۔ آپ نے اپنے طرز عمل اور طرز تخاطب سے علیؑ کی یاد تازہ کر دی۔ یزیدی قوتیں ظلم و ستم کرنے کے بعد تاریخ کے گھٹا ٹوپ اندھیرے

میں اتر گئیں لیکن بی بی زینبؑ ظلم و ستم برداشت کر کے امر ہو گئیں' زندہ جاوید ہو گئیں۔ ان کا نام قیامت تک' صبر و رضا کے ساتھ ساتھ جرأت و حوصلہ کی علامت بن کر دمکتا رہے گا۔

شام سات بجے ہم لوگ حرم پہنچے تھے۔ ضریح کے قریب ہی نماز و نوافل ادا کیے۔ پروگرام تھا کہ بعد از نماز مغرب جناب زینب سلام اللہ علیہ کو ان کے دروازے پر ایک مجلس برپا کر کے پرسہ دیا جائے۔ ہمارا گروپ چھوٹا سا 18 نفوس پر مشتمل ہے چنانچہ اپنے ہم سفروں کے ساتھ مجلس کا آغاز کیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں پر کئی پاکستانی جمع ہو گئے۔ مولانا محمد تقوی نے بھی بہت اچھی اور پر اثر مجلس پڑھی۔ مظلومین کربلا' مسافران شام اور خانوادہ حسینؑ کا ذکر ہو اور وہ بھی بی بی زینبؑ کے دربار میں تو رقت طاری ہونا فطری سی بات ہے۔ مصائب ذوالقرنین حیدر نے پڑھے۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے لوگ بھی ہمارے دائیں بائیں جمع ہو گئے یوں پاکستان اپنی شناخت کے ساتھ سب کے سامنے تھا۔ پاکستانیوں کی انفرادیت اپنا آپ منوالیتی ہے۔ ملک سے باہر یہ پاکستانی خود کو پاکستانی کہلاتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں لیکن پاکستان میں یہ پنجابی' سندھی' پٹھان' مہاجر کی تقسیم میں پڑ جاتے ہیں۔ شاید اس کے پیچھے بھی عدم مساوات ہے۔ اگر دولت اور حقوق کی تقسیم میں توازن قائم ہو جائے تو جھگڑا ہی ختم ہو جائے لیکن مفاد پرست طبقہ اپنی بقاء کے لئے تقسیم در تقسیم کے فارمولے پر مسلسل عمل پیرا ہے۔ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ یہ طبقہ اپنی ریشہ دوانیوں میں ابھی تک کامیاب و کامران ہے لیکن قدرت کا اپنا نظام ہے۔ بالآخر اس کی گرفت بھی تو اپنا کام شروع کرے گی۔ پھر الامان' الحفیظ!

بغداد سے دمشق کا طویل فاصلہ (550 + 350) 900 کلومیٹر ہے۔ تاحد نگاہ اس راستے کے دونوں طرف زرخیز زمین غیر آباد پڑی نظر آتی ہے۔ عراق ہی نہیں شام میں بھی یہی حال ہے۔ بالخصوص عراق میں تو آپ جدھر جائیں زرخیز زمینیں بے کار پڑی ہیں۔ 1990ء میں اس ملک کی آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ تھی اب ایک کروڑ پچاس لاکھ ہو چکی ہے۔ زرعی وسائل بروئے کار نہیں لائے جا رہے۔ نعرہ یہ ہے کہ تمام عرب ایک قوم ہیں

لیکن کسی عرب ملک کو دوسرے عرب ملک کے مسائل و مشکلات کا احساس نہیں۔ اقتصادی مسائل پر بات ہو تو وہ مصر' سوڈان' اردن اور شام میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ کھلی منافقت کی بات ہے۔ اس پر کوئی کیا تبصرہ کرے۔

بات ہو رہی تھی بی بی زینب سلام اللہ علیہ کے دربار میں مجلس کی اور میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ بہرحال مجلس کا اہتمام ہماری (ہم میاں بیوی کی) طرف سے تھا جس میں تبرک کے طور پر ہم نے اپنے گروپ کا کھانا طے کیا تھا لیکن جب ہجوم بڑھ گیا تو جاوید زیدی نے نافیاں وغیرہ منگوا کر سب میں تقسیم کروا دیں۔ اسی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی اپنا اپنا تبرک بانٹ کر اس مجلس کو پاکستان کی طرف سے بی بی زینب کو "پرسہ" کی مجلس بنا دیا۔

مجلس کے بعد الہاشمیہ واپس آئے۔ راستے میں سے کوڈک کی کیمرہ فلم 120 لیرا میں خریدی۔ اپارٹمنٹ میں آکر کھانا کھایا اور پھر گھر (لاہور) فون کرنے کے لئے اہلیہ کے ساتھ بازار نکل پڑا۔ دوپہر کو جب ہم نے لاہور فون کیا تھا تو دو منٹ کے 250 لیرا چارج ہوئے تھے۔ کال آفس کے منتظم نے بتایا تھا کہ رات دس بجے کے بعد کال چارجز میں 60 فیصد کمی ہو جاتی ہے۔ اب رات کے دس بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ بات کی تو 50 فیصد کم چارج کئے گئے۔ (10 فیصد کی ہیرا پھیری قابل قبول ہے) تین منٹ بات کے لئے 195 لیرا لئے گئے۔ بہرحال اطمینان وہ بات یہ تھی کہ چھوٹے بیٹے رضوان سے بھی بات ہو گئی اور دیگر اہل خانہ کی خیروعافیت جان کر بھی تسکین ہو گئی۔

زیارات دمشق

13 اپریل 1998ء' صبح نو بجے مقامی بس کے ذریعے دمشق کی زیارات کے لئے نکلے' سب سے پہلے دمشق سے 20 کلومیٹر دور "عدرا" کے مقام کے لئے روانگی ہوئی۔ ایک چھوٹی سی سڑک دمشق کے ہوائی اڈے کے قریب سے گزرتی ہوئی انتہائی سرسبز اور شاداب علاقہ میں داخل ہو گئی۔ کھیتی باڑی والا علاقہ ہے۔ اِدھر اُدھر چھوٹی نسل کی خوب دودھ

دینے والی گائیں نظر آئیں۔ راستے میں صنوبر کے درختوں کی کثرت تھی۔ سیبوں کے کچھ باغات بھی دیکھنے میں آئے۔ کھیتوں اور باغوں کے بیچ میں سے گزرتی ہوئی یہ چھوٹی سڑک معیار کے اعتبار سے بری ثابت نہ ہوئی۔ تنگ سڑک کی وجہ سے آمنے سامنے آجانے والی گاڑیوں کو سڑک سے اتر کر دوسرے کو راستہ دینا پڑتا تھا چنانچہ رفتار زیادہ نہ ہو سکی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں یہ مختصر سا فاصلہ طے ہوا۔ اِدھر گاڑی کا ڈرائیور بھی بچوں جیسی عادات کا مالک ثابت ہوا۔ بس کے اگلے حصہ میں اور سامنے کے شیشہ پر پلاسٹک کے پھول، بیلیں، انگور کے خوشے، فیڈر، کھلونے اور نہ جانے کیا کیا الا بلا لٹکا رکھا تھا۔ ان چیزوں کی اتنی بھرمار تھی کہ مسافر سامنے کا منظر دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ بس کے اندر بھی صورت حال کچھ مضحکہ خیز سی تھی۔ نشستوں کی ترتیب بے ہنگم سی تھی۔ اوٹ پٹانگ طریقے سے انہیں لگا دیا گیا تھا۔ کسی زمانے میں ہمارے ہاں ریلوے کا تیسرا درجہ اس طرح کی نشستیں رکھتا تھا۔ تمام سفر کے دوران مسافر بے چین رہے۔

حضرت حجر بن عدی کندی الکوفیؓ

حضرت حجر بن کندی الکوفی کا مقبرہ پوری شان کے ساتھ ایستادہ زائرین کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ حضرت حجر بن کندیؓ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی، حضرت علیؑ کے ساتھی، دوست اور مددگار تھے۔ آپ حضرت امام حسنؑ اور امام حسین علیہ السلام سے بھی بہت پیار کیا کرتے تھے۔ آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ اہل بیت اطہار کی محبت کی علامت ہیں۔ آپ کو معاویہ کے حکم پر گرفتار کرکے دمشق لایا گیا۔ جب آپ اور آپ کے ساتھی عدرا کے مقام پر پہنچے تو معاویہ نے نیا حکم بھجوایا کہ اگر حضرت حجر اور ان کے ساتھی حضرت علی علیہ السلام پر تبرا بھیجیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ آپ نے معاویہ کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اذیتیں دے کر قتل کر دیا گیا۔

ہمارا قافلہ آپ کے مزار پر پہنچا تو وہاں بڑی تعداد میں ایرانی زائرین موجود تھے۔

انہوں نے زیارت اور حضرت علیؑ کی منقبت بڑے خوبصورت انداز میں خوش الحانی سے پڑھی۔ اسی منقبت میں حضرت کندی کی مدح بھی شامل تھی۔ یہاں ہم لوگوں نے دو رکعت نفل پڑھے اور اگلی منزل "باب الساعات" "قید خانہ اور دربار یزید (اسے اب مسجد امیہ بنایا جارہا ہے) کے لئے دمشق شہر کو روانہ ہوئے۔ اب ہماری بس شاہراہ دمشق پر تھی جو دو طرفہ اور کشادہ سڑک ہے۔ یہاں ہمیں کوریا کی ڈائیو کمپنی کام کرتی ہوئی نظر آئی۔ ایک بہت بڑے احاطہ میں ان کے دفاتر قائم ہیں۔ کچھ کارخانے بھی نظر آئے۔ ہمارے سیدھے ہاتھ پر سیمنٹ سازی، ماربل اور کچھ دیگر صنعتی یونٹ راستے میں دکھائی دیتے رہے۔ کچھ غیر ملکی کمپنیوں کے تعاون سے چلنے والے صنعتی کارخانے بھی نظر آئے۔ متعدد مقامات پر صدر حافظ الاسد، ان کے مرحوم بیٹے باسل اسد اور علی العابد کی تصاویر نظر آئیں۔ کچھ دیر کے بعد ہم لوگ "قید خانہ" پہنچ گئے۔ یہ پرانے دمشق میں واقع ہے۔ باہر نمونے کی "دیوار" بھی بنی ہوئی ہے۔

روضہ بی بی رقیہ

ایک تنگ سی سڑک پر سے ہوتے ہوئے ہم لوگ پہلے بی بی رقیہ بنت حضرت امام حسینؑ (یا بنت حضرت عباسؑ) کے روضہ پر پہنچے۔ یہ ایک طویل و عریض روضہ ہے۔ دلکش طرز تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ حضرت رقیہؑ کے روضہ پر بھی زائرین کی بڑی تعداد موجود تھی۔ روضہ کے اندر ایک خوبصورت ضریح اور بہت ہی خوبصورت ہال میں دبیز ایرانی قالین بچھے تھے۔ ان پر لوگ دو رکعت نماز ادا کر رہے تھے۔ روضہ کا پورا انتظام ایرانیوں کے ہاتھ میں ہے۔ واقعتاً انتظام بہت اچھا ہے۔ خواتین و حضرات کے لئے وضو کی جگہ پر بھی خصوصی صفائی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ یہاں سکون و اطمینان کی ایک گہری فضا کا احساس ہوتا ہے۔ یہاں سے نکل کر ایک بازار میں داخل ہوئے جو مشکل سے 12 فٹ چوڑا ہوگا۔ یہ پہلے "قید خانہ" تھا اسی قید خانہ میں اسیران کربلا کو رکھا گیا تھا۔ دو رویہ دکانیں دراصل قیدیوں کی کوٹھڑیاں تھیں۔ ایک دو کمروں کو علامتی سبز رنگ کے ساتھ

اصل حالت میں رکھا ہوا ہے تاکہ آنے والوں کو کچھ اندازہ ہو جائے کہ ماضی میں ان کی صورت کیسی تھی۔

دربار یزید

اس علاقے میں معاویہ کی نسل آباد ہے۔ اس قید خانہ میں آگے بڑھتے بڑھتے ہم یزید کے دربار کی پشت میں داخل ہو گئے۔ اب دربار کو مسجد امیہ میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ اس دربار کے صحن میں تین مقامات نمایاں تھے۔ پہلا مقام وہ ہے جہاں بی بی زینب نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا تھا۔ یہاں اب ایک ہشت پہلو گنبد ہے۔ دوسرا مقام اسیران کربلا کے کھڑے رکھے جانے کا ہے' یہاں بھی گنبد تعمیر کر دیا گیا ہے۔ تیسرا مقام وہ جگہ ہے جہاں یزید کے حکم پر بی بی زینب کے خطبہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے ایک موذن کو کھڑا رکھا گیا۔ اس نے بی بی کے خطاب کے دوران' 16 مرتبہ اذان دہرائی اس مقام کے تعین کے لئے بھی ایک گنبد بنا دیا گیا ہے۔ ان تینوں مقامات پر بنائے جانے والے گنبد مختلف طرز تعمیر کے نمائندے ہیں۔

جس دروازے سے ہم داخل ہوئے' اس پر ایک بلند مینار ایستادہ ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام' آسمان سے اتر کر اس مینار پر ظاہر ہوں گے۔ اس مقام پر عیسائی بھی بڑی تعداد میں تصویریں بناتے نظر آئے۔ سیدھے ہاتھ پر بڑا دروازہ ہے جس سے جناب زینب سلام اللہ علیہ دربار یزید میں داخل ہوئی تھیں۔

بی بی زینبؑ کا خطاب

اس طویل و عریض ہال میں یزید نے پورے کروفر کے ساتھ اپنے تمام عمائدین اور معززین کو جمع کیا تھا۔ دربار لگایا گیا تو معززین کے لئے چودہ سو نشستوں کا اہتمام گیا گیا۔ یزید خود ایک اونچے تخت پر بیٹھا۔ بی بی زینبؑ نے شام کے دربار میں جرأت و خطابت کے وہ جوہر دکھائے کہ لوگوں کو حضرت علیؑ ابن ابی طالب یاد آ گئے۔ بی بی زینبؑ کا خطاب کئی لحاظ سے منفرد اور یکتا ہے۔ یہ خطاب جرأت و بے باکی، علم و فضل اور عقل و دانش کا ایسا

مرقع تھا جس کی نظیر نہیں۔ ایک لٹے پٹے قافلے کی سربراہ نے میدان کربلا میں پیش آنے والے سانحہ کا تذکرہ اور نواسہ رسول کے موقف کی وضاحت ایسے موثر انداز میں کی کہ دربار میں سناٹا چھا گیا۔ عمائدین پر حق و صداقت کے در وا ہونے لگے تو یزید گھبرا گیا۔ اس نے موذن کو طے شدہ حکمت عملی کے مطابق اشارہ دیا اور وہ اذان پہ اذان دینے لگا۔ علیؑ کی بیٹی نے پوری گھن گرج کے ساتھ اپنا خطبہ جاری رکھا۔ سولہ بار اذان دی گئی لیکن بی بی کے خطبہ میں مداخلت کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ شام کے دربار سے کوسوں دور جو بہیمانہ کھیل کھیلا گیا تھا اور جس طرح اہل بیت کو جھکانے کے لئے ظلم و بربریت روا رکھی گئی، علیؑ کی بیٹی نے اسے دنیا کے سامنے رکھ دیا تاکہ رہتی دنیا تک حق اور باطل کے درمیان امتیاز واضح ہو جائے۔ ظالموں پر نفرین اور مظلوموں پر آفرین کا سلسلہ قائم ہو جائے۔

دربار ہال بھی صحن کی طرح وسیع و کشادہ تھا۔ اس میں بڑے بڑے ستون اپنے دور کی مخصوص طرز تعمیر کا نمونہ تھے۔ چھت کے لئے لکڑی کے شہتیر استعمال کئے گئے تھے۔ چھت اوپر سے گنبد کی طرح گول تھی۔ اس زمانے میں لوہے کا فریم استعمال کیا گیا تھا۔ مسلمان حکمران کی بجائے یہ کسی رومن بادشاہ کا دربار محسوس ہوتا تھا۔ یہاں پر لکڑی کا ایک چبوترہ بنایا گیا تھا (جو اب بھی موجود ہے) اس پر حضرت امام حسینؑ کا سر رکھا گیا تھا۔ یزید تخت پر بیٹھ کر درباریوں کے سامنے، سر مبارک کو چھڑی سے ضربیں لگایا کرتا تھا۔

حضرت یحییٰ بن زکریاؑ

اس دربار میں ایک جگہ پر محراب بنی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں یہاں کنواں ہوا کرتا تھا۔ اس محراب میں حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی۔ ایک روایت ہے کہ اس مقام پر انہیں ذبح کیا گیا تھا۔ ان کا خون گرا تو کنواں ابلنے لگا۔

مصلیٰ، نقرئی طاق اور اوطاق

دربار کے بائیں جانب باہر کی طرف ایک کمرہ ہے۔ اس میں داخل ہوئے، وہاں پہ

امام زین العابدینؑ کا مصلیٰ ہے جس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہے۔ آپ جب کبھی یہاں تشریف لاتے تو اس مقام پر عبادت کیا کرتے۔ اس کے ساتھ ایک نقرئی طاق ہے جس میں 40 یوم تک سر حسین علیہ السلام رکھا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یزید کا خزانہ یعنی اوطاق ہے جسے شیشہ کا فریم بنا کر بند کر دیا گیا ہے۔ ایک گول بڑا سا مقام ہے جسے سبز رنگ کا کپڑا ڈال کر چھپایا ہوا ہے۔ یہاں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موئے مبارک رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں سر حسین علیہ السلام بھی دفن ہے۔ واللہ عالم بالصواب!

باب الساعات اور بازار شام

دربار یزید جو اب مسجد امیہ کہلاتی ہے' کے باہر جو چند مقامات ہیں ان میں باب الساعت ہے۔ اس مقام پر اسیران کربلا کو 18 گھنٹے انتظار کرایا گیا۔ دربار کے دروازے سے اس کا فاصلہ 72 قدم ہے۔ یہاں ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ باب الساعت کے نیچے کاغذی پھولوں کی رنگا رنگ آرائش ہے۔ یہ آرائش بڑے اہتمام کے ساتھ جاری و ساری رہتی ہے اور اس کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ اس اہتمام کا پس منظر یہ ہے کہ یہاں بی بی زینبؑ اور اسیران کربلا 18 گھنٹے کھڑے رہے تھے۔ باب الساعت کے پیچھے تمام بازار' عام بازاروں کی طرح رہتا ہے۔ صرف مخصوص مقام پر آرائش کر کے دشمنان اہل بیت اپنی تسکین کرتے ہیں۔ یہاں غیر ملکی سیاح ویڈیو فلم بناتے نظر آتے ہیں۔ بازار شام' ڈھکا ہوا بازار ہے' چھت گول ہے۔ اس کے دونوں طرف دوکانیں ہیں۔ یہاں کا ماحول اور منظر انار کلی جیسا ہے۔ دوکانوں کے اوپر کھڑکیاں ہیں جہاں سے اسیران کربلا کو پتھر مارے گئے۔ ان کا تمسخر اڑایا گیا۔ یہ جگہ آج بھی اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ مسجد امیہ کے اندر ہی سے ایک راستہ یزید کے محل کو جاتا تھا۔ اس کو اب بند کر دیا گیا ہے۔ محل منہدم ہو چکا ہے۔ کچھ آثار باقی ہیں۔ کہتے ہیں اس محل کے ایک حصہ میں یزید کی قبر تھی۔ اس کے ٹھیک اوپر اب شیشہ بنانے کی بھٹی بنی ہوئی تھی۔ یہ جگہ ہم دیکھ نہیں سکے۔ زائرین کے لئے بند ہے۔ دراصل اس دربار اور قید خانے وغیرہ کے گرداگرد بنو امیہ کے لوگ

آباد ہیں۔ ان کی وجہ سے زائرین کو مذکورہ مقام کی طرف جانے ہی نہیں دیا جاتا۔ مسجد کے صحن کے قریب ہی ایک برج میں نوادرات اور قیمتی کتابیں موجود ہیں لیکن وہ بھی بند ہے۔ یزید کی بیوہ ہندہ کا محل بھی برباد ہو چکا ہے۔ وہ بھی نہیں دیکھا جا سکا۔

گورستان دمشق

دربار یزید سے ہم لوگ باب الصغیر پہنچے۔ اسے گورستان دمشق بھی کہتے ہیں۔ اس قدیمی قبرستان میں درج ذیل عظیم شخصیات کی قبریں ہیں:

① بی بی فاطمہ بن حسین علیہ السلام
② حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
③ حضرت عبداللہ ابن امام جعفر علیہ السلام
④ حضرت عبداللہ ابن جعفر طیارؓ
⑤ بی بی میمونہ بنت امام حسینؑ
⑥ بی بی اسماء زوجہ جعفر طیارؓ
⑦ بی بی حمیدہ بنت مسلم بن عقیلؓ
⑧ بی بی فضہ کنیز جناب سیدہ سلام اللہ علیہ

مذکورہ نام گورستان کے داخلہ کے دروازہ پر لکھے ہیں جبکہ یہاں پر بی بی ام کلثومؑ بنت امیرالمومنین، بی بی سکینہؑ بنت امام حسینؑ، ام سلمیٰؓ اور ام حبیبہؓ زوجہ محترم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ جناب عبداللہ ابن امام زین العابدینؑ اور صحابی عبداللہؓ بن مکتوم بھی مدفون ہیں۔

بی بی سکینہؑ کے روضہ پر مجلس

یہاں بی بی سکینہؑ کا روضہ جس میں ام کلثوم بنت حضرت علیؑ کی ضریح بھی شامل ہے، خاص اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ بی بی سکینہؑ کا انتقال دمشق میں ہوا تھا۔ ہم لوگ تہہ خانے میں چلے گئے۔ اسے اب زائرین کے لئے کھول دیا گیا ہے۔ یہ تہہ خانہ اصل میں قید خانہ

تھا جہاں کربلا سے لاکر اسیران کو رکھا گیا تھا۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جو قبرستان کے اندر بیابان میں واقع تھی۔ یہاں بی بی سکینہ کو بعد از وفات امام سجاد نے اپنے ہاتھوں سے دفن فرمایا تھا۔ بی بی سکینہؑ کے قید خانہ (اب روضہ) پر دو رکعت نماز بصد مشکل ادا کی۔ دل دماغ پر کمسن بی بی کے مصائب کی اذیت کا احساس طاری تھا۔ بابا امام حسینؑ کی لاڈلی بیٹی کا قیدی ہو کر طویل فاصلہ طے کرنا' سفر اور موسم کی سختیاں برداشت کرتے ہوئے زندہ پہنچنا ہی ایک حیرت انگیز بات تھی۔ ننھی شہزادی کی بالیاں نوچا جانا' تاریک زندان میں اذیتیں' یہ سب کچھ سوچ کر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ کربلا کے واقعات میں بی بی کا کردار سوچیں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ معصوم اور بھولی بھالی شہزادی اپنے بابا سے بے پناہ پیار کرنے والی سکینہ کو کیا دن دیکھنا پڑے۔ ان تمام باتوں کی یلغار دل و دماغ میں طوفان برپا کئے ہوئے تھی' نماز ادا کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

بی بی سکینہؑ کی قبر کے پاس ہم نے ایک چھوٹی سی مجلس کی۔ پرسہ دیا اور اوپر آگئے۔ یہاں ہمارے قافلہ نے کھانا کھایا۔ پھر اسی قبرستان کی دوسری اہم جگہ بی بی فضہ کے روضہ پر گئے اور نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ یہاں سے ہم لوگ قریب ہی موجود حضرت بلال حبشی کے مزار اقدس اور حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار کی آرام گاہ پر حاضر ہوئے۔ حضرت بلال حبشیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اذان دینا چھوڑ دی تھی۔ آپ ان اولین مسلمانوں میں نمائندہ شخصیت ہیں جنہوں نے کفار کی ناقابل برداشت اذیتیں سہہ لیں لیکن حق و صداقت کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ان برگزیدہ ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔

قبر معاویہ

گورستان دمشق کی زیارتوں سے فارغ ہوتے ہوئے جب ہم سڑک کے قریب آئے تو ایک کچا کمرہ' بوسیدہ و شکستہ حالت میں نظر آیا۔ اس پر کوئی تختی وغیرہ نہیں تھی۔ پتہ چلا یہ معاویہ کی قبر ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک قبر میں معاویہ کا مشیر خاص دفن ہے۔ کیسا

عبرت کا مقام ہے کہ جس شہر میں ایک طویل عرصہ تک معاویہ نے حکومت کی جس علاقے میں ابھی اس کی نسل آباد ہے اسی شہر اور اسی علاقے میں وہ بے چراغ مدفن میں اپنی اولاد کی بے اعتنائی کا شکار ہے۔ فاعتبرو یا اولی الابصار!

چشمہ امام زین العابدینؑ

شاہراہ کے قریب ہی حضور سرور کائنات کی ازدواج مطہرات' ام سلمٰی اور ام حبیبہ کی قبور مطہرات بھی زائرین کی توجہ اور احترام حاصل کرتی ہیں۔ ذرا آگے چلیں تو سڑک کے ایک پہلو میں وہ مقام ہے جہاں امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی ایک ٹھوکر سے چشمہ پیدا کیا تھا۔

یہاں پہلے قید خانہ تھا جس کی چھت نہیں تھی۔ اس میں بھی اسیران کربلا کو رکھا گیا تھا اس جگہ ام ربابؑ والدہ علی و جعفر کا انتقال ہو گیا تھا۔ مسلسل دھوپ نے انہیں بیمار کر دیا تھا۔ اب وہاں ایک چھت بنا دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک مقام پر ایک ضریح میں 16 سروں کی چھوٹی چھوٹی قبریں بنا کر سرخ کپڑے سے انہیں ڈھانپ دیا گیا ہے۔ ہر قبر پہ شہید کا نام کندہ ہے۔ امام زین العابدین نے ان سروں کو اپنی ٹھوکر سے پیدا شدہ چشمہ سے غسل دے کر دفن کیا تھا۔ باہر جس مقام پر آپ نے غسل دیا تھا وہاں ایک پیالہ سا بنا کر اوپر قبہ بنا دیا گیا ہے۔ اس قبہ میں بھی شہداء کے نام درج ہیں۔ چشمہ کو ڈھکنا لگا کر بند کیا جا چکا ہے۔ اب نیچے موٹر لگی ہے اور پائپ سے پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔

گورستان دمشق اور دوسرے تمام مقامات ایرانیوں کی نگرانی میں ہیں۔ یہ لوگ پوری محبت اور عقیدت سے خدمت کر رہے ہیں۔ ان نشانیوں کو جس طرح ایرانیوں نے سنبھالا ہے' وہ لائق ستائش ہے۔ حکومت شام بھی اس سلسلے میں تعریف کی مستحق ہے کہ وہ کھلے دل کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

دن بھر زیارات میں مصروف رہے۔ چار بجے کے قریب واپس "الہاشمیہ" پہنچے۔ دو گھنٹے آرام کرنے اور تھکن اتارنے کے بعد دوبارہ "حرم" پہنچے۔ مغربین ادا کیں۔ کل کی

طرح پھر تمام پاکستانی مجلس کے لئے جمع ہو گئے۔ آج مجلس کچھ جلدی ہی جم گئی۔ پڑھنے والے کئی تھے لیکن انتظامیہ نے نصف گھنٹہ پہلے ہی حرم بند کر دیا۔ فارسی زبان میں لوگوں کو باہر نکلنے کی درخواست کی جانے لگی۔ ساڑھے نو بجے انہوں نے روشنیاں بھی بند کر دیں۔ تین دروازوں کو تالے لگا دیئے گئے۔ میں تقریباً بھاگتے ہوئے ایک دروازہ سے باہر نکلا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ اگرچہ حرم کا انتظام ایرانیوں کے سپرد ہے لیکن محسوس ہوتا ہے انہیں خصوصی ہدایات ہیں ورنہ یہ لوگ تو خود بہت گریہ زاری کرنے والے ہیں۔ بہرحال آج کی سرگرمیاں رات بارہ بجے اختتام پذیر ہوئیں۔

زیارات شام کا آخری سفر

14 اپریل 1998ء، صبح پانچ بجے بی بی السیدہ زینبؑ کے روضہ کے ایک مینار سے شیعہ مؤذن اور دوسرے مینار سے سنی مؤذن لوگوں کو نماز فجر کی دعوت دے رہے تھے۔ نماز کے لئے فلیٹ سے نکلا۔ 6 بجے تک نماز، زیارت اور نوافل سے فارغ ہو کر اپنے اپارٹمنٹ واپس آگیا۔ 9 بجے صبح، زیارات شام کا آخری سفر شروع ہوا۔

اصحاب کہف

سب سے پہلے "اصحاب کہف" کے مقام پر پہنچے۔ یہ مقام دمشق سے 8 کلومیٹر پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ آج کل یہ پہاڑی گلی اور محلوں کی صورت میں چوٹی تک آباد ہے۔ تنگ سڑک پر چھوٹی بسوں، سوزوکی پک اپ اور کاروں کی ٹریفک دو طرفہ جاری تھی۔ ہماری چھوٹی فیٹ بس پہاڑی کے دامن میں رک گئی تھی، وہاں سے ہم دوسری فیٹ کے ذریعے آگے بڑھے۔ تنگ سڑک پر دو رویہ دکانیں اور انتہائی مشکل موڑ تھے لیکن ہماری بس کا ڈرائیور کسی مشکل کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے گاڑی دوڑاتا چند منٹ میں اوپر پہنچ گیا۔ یہاں سے پیدل چل کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مزید بلندی کی طرف جانا تھا۔ کھڑی سیڑھیوں پر ہم لوگ زینہ بہ زینہ اوپر چڑھتے گئے۔ تقریباً پچاس کے قریب سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک مکان نما عمارت کا دروازہ آیا۔ اس کی سیڑھیاں چڑھ کر ہم

ایک ہال کمرہ میں پہنچے۔
ہال کمرے کے اندر پہاڑ کی جانب لوہے کی جالی لگا کر غار کا دروازہ بنایا ہوا ہے۔ ہم لوگ غار میں داخل ہوئے۔ اس وقت وہاں چالیس پچاس ایرانی موجود تھے۔ کچھ غار میں تھے اور کچھ باہر ہال میں تھے۔ غار میں بیک وقت دس پندرہ آدمیوں سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ایرانی باہر نکلے تو ہم غار میں داخل ہوئے۔ کچھ تصاویر بنائیں' تھوڑی دیر وہاں رکے۔ اصحاب کہف کے حوالے سے تاریخی اور مذہبی روایات ذہنوں میں تازہ ہو گئیں۔ یہاں سے مزید بلندی پر ہابیل و قابیل کا مقام بتایا جاتا ہے۔ اس مقام تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔ مقتول قابیل کی جائے دفن پر پہنچنے کے لئے تقریباً 50 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا ہوتا ہے۔

بام بیروت

اب ہماری گاڑی نہایت خوبصورت ہائی وے پر دوڑی چلی جارہی تھی۔ یہ ہائی وے بیروت کو جاتی ہے۔ لبنانی بارڈر تک دمشق کا علاقہ نہایت خوبصورت' سرسبز اور آراستہ و پیراستہ نظر آتا ہے۔ سڑک کے دونوں جانب لگژری اپارٹمنٹس' چھ چھ سات سات منزلہ عمارتوں کی صورت میں ایک دلکش ماحول بنا رہے تھے۔ تقریباً ہر فلیٹ ایئر کنڈیشنڈ تھا اور ڈش انٹینا سے آراستہ نظر آیا۔ یہ علاقہ خوشحال لوگوں کا ہے۔ اعلیٰ درجے کی معیاری شاہراؤں پر سفر کرتے ہوئے ہم تقریباً 11 بجے لبنان اور شام کی سرحد پر ایک فوجی چوکی پہ پہنچے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر راڈار لگے ہوئے تھے۔ بعض مقامات پر بنکرز اور ٹینک بھی نظر آرہے تھے۔ اس چوکی پر پاسپورٹوں کی رسمی سی پڑتال ہوئی۔ ہم سب سے کیمرے لے کر اپنی تحویل میں رکھ لئے گئے۔ مذکورہ چوکی پہاڑ کی بلندی پر ایک چھوٹی سڑک پر بنی ہوئی ہے۔ پتہ چلا کہ نیچے وادی میں جو آبادی اور سڑکیں نظر آرہی ہیں وہ بیروت شہر کا سرحدی علاقہ ہے۔ شام سے ملحقہ یہ علاقہ خوشنما گھروں کی وجہ سے خوشحال نظر آرہا تھا۔ چوکی سے مقتول قابیل کا مقبرہ چند کلومیٹر دور ہے۔ ہم لبنان میں جھانکتے ہوئے وہاں جا

پہنچے۔ ایک وسیع و عریض حصہ میں مسجد اور مقبرہ موجود ہے۔ حیرت ہوئی کہ اس غیرآباد جگہ پر حکومت نے زر کثیر صرف کر کے محض زائرین کی سہولت کے لئے ضروری اقدامات کر رکھے ہیں۔

مقبرہ ہابیل

اندر گئے تو ہابیل کی قبر کے ساتھ بیٹھے زیارت پڑھتے ہوئے ایرانیوں کو دیکھا۔ یہ قبر تقریباً 20 فٹ لمبی ہے۔ 4 فٹ چوڑی ہے اس کے گرد لوہے کی گرل لگی ہوئی ہے۔ ہم ہابیل اور قابیل، دونوں بھائیوں کے قد کے بارے میں سوچتے رہے۔ قبر کی طوالت سے لگتا ہے کہ ان کا قد 6 یا ساڑھے چھ گز رہا ہوگا۔ یہاں حضرت آدم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کا ایک شجرہ بھی آویزاں ہے۔ مختلف قسم کی عربی اور فارسی دعائیں بھی فریم کر کے لگائی گئی تھیں۔ کچھ دیر قبر کے قریب کھڑے رہے پھر مقبرے کا جائزہ لیا۔ مقبرہ اور مسجد دونوں خوبصورت ہیں۔ ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ دور دور تک آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ راستے میں چند گڈریئے ضرور نظر آئے تھے۔ مقبرہ میں پانی ایک چشمہ سے آرہا تھا۔ انتہائی خوش ذائقہ ٹھنڈا اور میٹھا ہے۔ شام ایک سرد ملک ہے، دور پہاڑوں پر برف بھی نظر آرہی تھی لیکن جب سے ہم یہاں آئے ہیں، موسم خاصا گرم ہے۔ ہم لوگ بغداد میں اپنا زیادہ تر سامان چھوڑ کر محض چند گرم کپڑے لے کر اس توقع کے ساتھ یہاں آئے تھے کہ سردی کا سامنا ہوگا۔ راستے میں "جرش" کمپنی کی جس بس میں ہم سوار تھے اس کا ڈرائیور ایئرکنڈیشنر چلانے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ بس ابھی تھوڑی دیر میں سردی سے پالا پڑنے والا ہے۔ یہ ٹرانزٹ بس ہے اور مخصوص جگہوں پر ہی رکتی ہے۔ کل صبح جب یہاں سے واپسی ہوگی تو یہی بس ہمیں لینے آئے گی۔

بیروت اور شام کی سرحد میں فرق صرف اتنا تھا کہ اِدھر کوئی فوجی یا پولیس پہرہ نظر نہ آیا۔ آگے جا کر شاید کوئی ایسی صورت ہو۔ سرسبز وادی میں سٹرابری اور سیب کے باغات بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ دمشق کے بارے میں میرا خیال تھا کہ یہ کوئی چھوٹا سا شہر

ہو گا۔ یہاں پہنچ کر بھی میرا پہلا تاثر یہی تھا کہ چھوٹا سا پہاڑی شہر ہے۔ لیکن اب دو روز سے شہر کے مختلف حصے دیکھے ہیں۔ بازاروں' گلیوں محلوں اور اعلیٰ درجے کی آبادیوں کو دیکھا ہے تو میری رائے تبدیل ہو گئی ہے۔ دمشق یقیناً عروس البلاد ہے۔ یہ قدیم ترین اور تاریخی شہر اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں خاندان بنو امیہ نے 80 برس حکومت کی جس میں سے ابتدائی چالیس برس صرف معاویہ کی حکمرانی کے ہیں۔ غیر جانبداری سے دیکھیں تو اسلام کی بنیادیں ہلانے اور امت میں تفرقہ ڈالنے کا تمام تر کریڈٹ حضرت معاویہ کو جاتا ہے اور وہ آج اس شہر میں انتہائی کسمپرسی کی حالت میں دفن ہے۔ اجڑی ہوئی قبر پر محض یہ لکھا ہے--- ہذا قبر معاویہ!

افسوسناک واقعات

واپسی پر چوکی سے اپنے کیمرے لئے اور تقریباً ڈیڑھ بجے ہم لوگ الہاشمیہ پہنچ گئے۔ فلیٹ پر ہی ظہر اور عصر کی نماز پڑھی' کھانا کھایا اور استراحت کے لئے دراز ہو گئے۔ آج دو افسوسناک واقعات علم میں آئے۔ پہلا واقعہ تو کراچی کے ایک گروپ کے بارے میں ہے۔ اس گروپ میں 6 بچے اور 12 مرد و زن تھے۔ ان کا قافلہ سالار' بغداد میں انہیں بس میں بٹھا کر غائب ہو گیا۔ زیارات کا پروگرام تو رہا ایک طرف' اب ان کے پاس کھانے پینے کے لئے بھی پیسہ نہ تھا۔ عجیب کسمپرسی کی حالت بتائی جا رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کریں اور قافلہ سالار کو ہدایت بخشیں۔ دوسرا واقعہ لاہور کے ایک مولانا کے بارے میں ہے۔ وہ ایک چھوٹا سا قافلہ لے کر یہاں (شام) میں آئے۔ چار نوجوانوں کو یہاں سے بیروت سمگل کرانے کی کوشش میں گرفتار ہو گئے۔ یہاں کے کسی عالم نے ان کی ضمانت نہیں دی۔ شام کی حکومت نے انہیں بلیک لسٹ کر کے ملک بدر کر دیا ہے۔ نوجوان جیل میں ہیں۔ ان پر ابھی مقدمہ چلے گا اور چھ سال تک کی سزا ہو سکتی ہے۔ یہ موصوف' مولانا ہمارے گھر کے قریب ہی لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔ زیارات کا پروگرام ان کے ساتھ تقریباً طے ہو چکا تھا لیکن اہلیہ کا دل نہ مانا اور انہوں نے اصرار کر کے پروگرام تبدیل

کروالیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بڑی مصیبت سے بچالیا۔

دمشق جدید

دمشق میں ایک سو ڈالر کا ریٹ 550 لیرا ہے جبکہ سو روپے کے بدلے سو لیرا ہی ملتے ہیں۔ روزمرہ اشیائے ضرورت کی قیمتوں کا جائزہ لینے کے لئے مارکیٹ کی طرف جا نکلا۔ ٹماٹر 50/ روپے کلو' آلو 35/ روپے کلو' کیلا 65/ روپے کلو۔ کپڑے دھونے کی مشین 33 ہزار روپے' مووی کیمرہ Sanyo 50 ہزار روپے' غرض ہر چیز پاکستان کے مقابلے میں 30 سے 40 گنا مہنگی نظر آئی۔ پوش علاقے میں ایک نوجوان نے کہا کہ "ہوٹل اور خانم" مل سکتی ہے۔ ہم نے لاحول پڑھی اور آگے سرک گئے۔ کیلے خرید رہے تھے کہ 4 نوجوان لڑکیاں آکر کھڑی ہو گئیں۔ ایسے مناظر انگریزی فلموں میں یورپ اور امریکہ کی بود وباش کے پس منظر میں تو دیکھے جاسکتے ہیں لیکن دمشق میں ایسا کچھ نظر آئے گا اس بارے میں تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

شہر دمشق اب ایک الٹرا ماڈرن شہر ہے۔ قدیم شہر صرف السیدہ زینب سلام اللہ علیہ کے علاقے تک محدود ہے۔ بقیہ تمام دمشق "جدید" ہو چکا ہے۔ شراب اور شباب ہر جگہ بکثرت دستیاب ہے۔ ہمیں دیکھ کر لوگ تصدیق کرتے--- پاکستانی؟--- اور خوش ہوتے لیکن چند پاکستانی بدبخت لوگ بیرونی دنیا میں پاکستان کی عزت خاک میں ملانے پر تلے ہوئے ہیں۔ نماز مغربین حرم محترم میں ادا کیں۔ بعدازاں اہلیہ کے ساتھ "لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار" کے دو سوونیئر دو سو روپے میں خریدے۔ اس سے پہلے دو سوونیئر کربلا سے خرید چکے ہیں لیکن یہاں کے بنے ہوئے زیادہ صاف اور خوبصورت ہیں۔ حرم کے اردگرد واقع بازاروں سے ہوتے ہوئے واپس حرم آگئے۔

عید غدیر

آج عید غدیر ہے۔ جشن غدیر میں لوگ حضرت علیؑ کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں۔ ہم نے بی بی زینبؑ کے دروازے کے سامنے جشن عید غدیر منا کر نذرانہ عقیدت

پیش کیا۔ مولانا اظہار نے خم غدیر میں حضور کے شہرۂ آفاق خطبے اور حضرت علیؑ کی ولایت کے اعلان پر تفصیل سے اظہار خیال کیا۔ آج' حرم رات ساڑھے نو بجے تک کھلا ہے۔ کل کی طرح کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ آج ایران سے آئے ہوئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد حرم میں موجود ہے۔ کچھ لوگ تو حج سے واپس آتے ہوئے یہاں حاضری کے لئے پہنچے ہیں اور کچھ تہران سے براہ راست ہوائی جہاز کے ذریعے آئے ہیں۔ یہ لوگ یہاں سے بغداد اور نجف اشرف اور کربلا معلیٰ وغیرہ کی زیارات کرکے واپس دمشق آئیں گے اور یہاں سے تہران کو روانہ ہوں گے۔

درج ذیل چار بزرگوں کے مزارات بھی دمشق میں بیان کئے جاتے ہیں: (1)جناب محمد ایوب' (2)جناب محی الدین عربی' (3)جناب ابی بن کعب اور (4)جناب مقداد اسود کندی۔ کل دو بجے واپسی ہے۔ اس سے پہلے ان کے قبہ تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔

سوق الحمیدیہ

15 اپریل 1998ء: آج' شام سے واپسی کا دن ہے۔ آخری دن کی مصروفیت سے پہلے کچھ دوسری باتیں ہو جائیں۔ بازار شام' شاہراہ النصر پر واقع ہے۔ اس کے ساتھ پرانے زمانے کی فصیل شہر' بطور نمونہ آثار قدیمہ قائم ہے۔ دیوار کے باہر ایک گھوڑے پر صلاح الدین ایوبی کا جاندار مجسمہ نصب ہے۔ جنگ اندلس کے لئے روانگی کا یہ منظر فن اصنام سازی کا بہترین نمونہ ہے۔ صلاح الدین ایوبی' تاریخ اسلام کا ایک توانا کردار ہے۔ اس کا مجسمہ اس کی شجاعت اور اسلام دوستی کے لئے عقیدت کا ایک اظہار ہے۔

دمشق میں ایک چوک میں بلند مینار پر ایک مسجد کا ماڈل آویزاں ہے۔ شہر بھر میں حافظ الاسد اور باسل باللہ کی تصاویر جگہ جگہ نظر آئیں۔ یہاں کتابوں کی دکانیں بھی نظر آئیں لیکن اخبار کا کریز (جنون) یہاں کے لوگوں میں نہیں ہے۔ میں نے پچھلے چار روز سے کسی کو اخبار بینی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آج واپسی کا سفر جرش کی اسی ٹرانزٹ بس

پر ہوگا جو آتے ہوئے ہمیں بارود پر لاد کر لائی تھی۔ آج ہم نے السیدہ زینب سلام اللہ علیہ کے روضہ سے ٹیکسی لی اور سوق الحمیدیہ (بازار شام جو تقریباً 20 کلومیٹر دور ہے) پہنچے۔ بازار میں سے ہوتے ہوئے باب الساعات پر آئے۔ دربار یزید (مسجد امیہ) ابھی بند تھا۔ وقت دیکھا تو ساڑھے نو بج رہے تھے۔ ہم دربار کے پیچھے سے یزید کے گھر کی تلاش میں نکلے۔ یہاں بھی اب بازار بن چکا ہے۔ بازار کے اوپر چند ایک ستون سے نظر آئے۔ دمشق قدیمیہ کی آبادی بھی بڑھ چکی ہے۔ چھوٹی چھوٹی تنگ گلیوں اور محلوں میں رہنے والے لوگوں کا تعلق بنو امیہ سے ہے۔ ہم نے دربار کے عقب میں ایک چکر لگایا اور برج والے دروازے سے داخل دربار ہوئے۔ جن مقامات کا دو روز پہلے سرسری جائزہ لیا تھا' آج ان کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ وہاں چند ایک تصاویر بھی بنوائیں۔ یہاں بھی ایرانی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ایرانی گروپ بہت منظم ہوتے ہیں۔ ان کے تمام خواتین و حضرات میں سخت ڈسپلن پایا جاتا ہے۔ ان کا گائیڈ پوری معلومات رکھتا ہے اور ہر جگہ کے بارے میں تفصیل سے اظہار خیال کرتا ہے۔

دربار یزید سے نکل کر ہم سیدھے بی بی رقیہ سلام اللہ علیہ کے قبر پر پہنچے۔ پچھلی دفعہ یہاں محض ہاتھ لگانے والی بات ہوئی تھی چنانچہ اب اطمینان سے بیٹھ کر دو رکعت نماز زیارت پڑھی۔ بی بی رقیہ کا روضہ اور ضریح مبارک بہت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے۔ دیر تک بی بی کو نذرانہ عقیدت پیش کرتا رہا' پھر اجازت لی۔ اب ہم دوسری جانب نکل گئے۔ ہمارے سامنے برانڈرتھ روڈ جیسا بازار تھا۔ اس سے نکلتے ہوئے باب سوق الحمیدیہ پہنچے۔ وہاں سے ٹیکسی لی اور واپس السیدہ زینبؑ کے حرم پہنچے۔ حرم کے قریب سے مزید کچھ سوونیئر خریدے اور الہاشمیہ لوٹ آئے۔ اب بارہ بج رہے تھے۔ ایک بجے تک آرام کیا پھر رخصتی کے لئے بی بی زینب کے حرم آئے اور اجازت لی۔ نماز ظہرین ادا کی اور بغداد روانگی کے لئے رخت سفر باندھا۔

بغداد کو واپسی

تین بجے بغداد کے لئے روانہ ہوئے۔ اس دفعہ بس کی نشستوں کے نیچے بھی مختلف نوعیت کا تجارتی سامان بھرا ہوا تھا۔ بس کی چھت کا بھی یہی عالم تھا۔ یہاں عام طور پر چھت پر سامان رکھنے کی روایت نہیں۔ بسیں بڑی ہوتی ہیں اور سیٹوں کے نیچے سامان رکھنے کے لئے کافی جگہ ہوتی ہے لیکن عراق جانے والی بسوں کی چھتوں پر بھی سامان لدا ہوتا ہے۔ چلتے چلتے راستے میں سے بس ڈرائیور نے انڈے خریدے اور سیٹوں کے اوپر دستی سامان رکھنے والی جگہ پر رکھ دیئے گئے۔ اتنی بڑی بس میں ہمارا قافلہ صرف 17 نفوس پر مشتمل تھا چنانچہ ہمارا سامان بھی کم تھا۔

دمشق اگرچہ سرد علاقہ ہے لیکن ہم لوگوں کے چار دن قیام کے دوران موسم سخت گرم رہا۔ خوبصورت شہر کے بیچوں بیچ ہوتے ہوئے ہمارا قافلہ شاہراہ عراق پر آپہنچا۔ ہماری بس سبک خرامی سے رواں دواں رہی اور ساڑھے تین گھنٹوں میں ہم لوگ شامی سرحد "تنف" پر تھے۔ اب یہاں رشوت اور سودے بازی کا بازار گرم ہوا۔ "تک مکا" کا اصل مسئلہ بس ڈرائیور کا تھا کیونکہ ہمارا سامان تو کسی ممنوعہ چیز سے پاک تھا۔ جائز و ناجائز تجارتی سامان بس والوں کا تھا چنانچہ ڈرائیور کو ہی چیک پوسٹ والوں سے نمٹنا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کی بک بک جھک جھک کے بعد شامی اہل کاروں سے معاملات طے ہوئے۔ ہم لوگ شام کی سرحد سے نکل کر عراقی چوکی میں داخل ہوئے۔ ایک بار پھر وہی سودے بازی کے مناظر تھے۔ یہاں کی بدعنوانی کے مناظر تو پاکستان کو بھی مات دے رہے تھے۔ بہرحال آخری جھگڑا پولیس والوں سے تھا جو ڈرائیور سے پیسے اور کچھ مشروبات کے کین ہتھیانے کے باوجود بغداد تک اپنے کچھ آدمی اور سامان بھجوانے پر مصر تھے۔ ہم نے بھی احتجاج کیا کہ یہ بیچارہ دو نفر شام سے لاد کر لایا ہے۔ اب آپ لوگ مزید مفت خور یہاں سے لادیں گے۔ "یاجوج ماجوج" بھی یہاں ہمارے انتظار میں موجود تھے۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد صرف ایک فرد بٹھانے کا فیصلہ ہوا۔ یہ کوئی پولیس انسپکٹر تھا جو ایک منٹ کا کہہ کر

کہیں غائب ہو گیا۔ اب گاڑی ہارن پر ہارن دیئے جا رہی ہے اور موصوف کا کہیں نام و نشان نہیں۔

آدھے گھنٹے کے بعد صاحب بہادر نمودار ہوئے۔ پتہ چلا کہ لباس تبدیل کرنے گھر چلے گئے تھے۔ ان کے ساتھ آنے والے دو سپاہیوں نے دو عدد "بورے" اٹھا رکھے تھے جبکہ موصوف نے خود ایک بیگ اور انڈوں کا ایک کریٹ اٹھا رکھا تھا۔ یہ سب کچھ تجارتی سامان کی لوٹ کھسوٹ سے حاصل ہونے والا مال غنیمت تھا جسے اب بغداد میں پہنچ کر فروخت ہونا تھا۔ اب اس نئی صورت حال پر ڈرائیور اور عراقی اہلکار میں زبردست تو تو میں میں ہوئی لیکن بالآخر ڈرائیور کو شکست تسلیم کرنا پڑی۔ اسے سب کچھ لاد کر سوئے بغداد روانہ ہونا پڑا۔ اس جھگڑے میں تین گھنٹے ضائع ہو گئے۔ گھڑیاں عراقی وقت کے مطابق ایک گھنٹہ آگے کر لی گئیں۔ اب رات کے دس بج رہے تھے۔ ڈرائیور نے عراقی سرحد کے پٹرول پمپ سے ٹینک فل کروایا۔ بس کی بھوک کا انتظام تو ہو گیا لیکن اب مسئلہ ہماری بھوک کا تھا۔ عراق میں ہماری آمد سے کچھ دیر پہلے آندھی اور بارش کا دور چل چکا تھا۔ اب موسم خوشگوار تو ہو چکا تھا لیکن لائٹس پر پتنگے اور بھونگے اس طرح آ رہے تھے کہ کسی کھلی جگہ پر کھانا کھانے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اب آگے سات سو کلومیٹر کا فاصلہ تو جیسے جنگل بیابان کا تھا۔ چلتے چلتے رات کے بارہ بجے کے قریب معلوم ہوا کہ کھانا تو تیار ہے' اب صرف جگہ کا مسئلہ ہے۔ ہم تمام مسافروں کے پاس فی کس ڈبل سیٹ تھی۔ میں نے جاوید زیدی سے کہا کہ اتنی شاندار سڑک پر گاڑی' پانی پر کشتی کی طرح پرسکون انداز میں چل رہی ہے۔ گاڑی کی اندرونی روشنیاں جلا کر کھانا دے دیا جائے۔ چنانچہ چلتی بس میں مرغ کا قورمہ اور چپاتی سکون اور اطمینان کے ساتھ کھائی گئی۔ پانی کی کمی تھی لیکن سب نے تھوڑا تھوڑا پی کر گزارہ کر لیا۔ اب تمام ساتھی مطمئن تھے۔ کھانے کا خمار چڑھنے لگا تو خاموشی کا دور شروع ہو گیا۔

بس سے باہر کا منظر دیکھنے کی کوشش میں تھا کہ بغداد 500 کلومیٹر کا سنگ میل گزرا چنانچہ میں بھی نشست کھول کر دراز ہو گیا۔ اب جو آنکھ کھلی تو بس کسی سروس اسٹیشن پر

کھڑی تھی۔ یہاں حاجات ضروریہ سے فارغ ہوئے۔ پانی پیا اور سفر پھر سے شروع ہو گیا۔ صبح پونے چھ بجے آنکھ کھلی تو بغداد تیس کلومیٹر دور تھا۔ جھٹ پٹا ہو چلا تھا۔ "گاؤ غریب" کی بستی سے گزرے واقعی غریبوں کی بستی تھی۔ اب موٹروے کی ایک برانچ بصرہ کو نکل رہی تھی اور یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ بغداد سامنے ہے۔ چھ بجے کے لگ بھگ بغداد میں داخل ہو گئے۔ ہوٹل شوخان کا فورتھ فلور ہمارے قافلے کے لئے بک تھا۔ کمرہ نمبر 9 میں ہم میاں بیوی آ گئے۔ تھکن نام کا کوئی احساس دور دور تک نہیں تھا۔ کچن سے گرم پانی منگوایا۔ چائے پی' شیو بنائی۔ $8\frac{1}{2}$ بجے ناشتہ کیا اور بستر پر آ گیا۔ اب ارادہ حضرت عبدالقادر جیلانی کے مزار پر حاضری کا تھا۔ آپ کو پیر ہندی بھی کہتے ہیں۔ حضرت امام حسنؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ کو پیران پیر اور پیر دستگیر کہا جاتا ہے۔ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کی والدہ بھی حضرت امام حسینؑ کی اولاد میں سے تھیں۔

مزار حضرت عبدالقادر جیلانیؒ

16 اپریل 1998ء' حضرت عبدالقادر جیلانی کے مزار پر پہنچے۔ مزار کی اپنی آب و تاب ہے۔ اس کی تزئین و آرائش بھی متاثر کرنے والی ہے۔ قبہ بھی بہت خوبصورت ہے۔ مسجد بھی شاندار ہے۔ مسجد کے کچھ دروازے مزار کے اندر کھلتے ہیں۔ یہاں کے خدام زائرین کو بتاتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت امام حسن کی اولاد میں سے تھے۔ یہاں ایک قدیم مدرسہ بھی ہے جو آجکل تعمیر نو اور توسیع کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ مزار کے بالمقابل ایک عظیم الشان لائبریری ہے۔ لائبریری جدید و قدیم علوم و فنون کا ایک بیش قیمت خزانہ ہے۔ 60 ہزار سے زیادہ قدیم کتابیں اور قلمی نسخے مختلف موضوعات پر محفوظ ہیں جس وقت ہم لائبریری پہنچے' یہ بند ہو چکی تھی۔ خادم ہمیں واپس جانے کے لئے کہہ

رہا تھا لیکن لائبریری کے مہتمم و منتظم جناب حسن ایس عبداللہ نے ہماری آواز سن کر اندر بلا لیا۔ تعارف ہوا، بڑے تپاک سے ملے اور پھر کئی قلمی مخطوطات دکھائے۔ ہم نے چند ایک کی تصاویر بنائیں۔ سلائیڈز پر قدیم ادوار کی مختلف تصاویر بھی محفوظ ہیں۔ واقعتاً یہ لائبریری ایک گراں قدر اثاثہ ہے۔ کاش میرے پاس زیادہ وقت ہوتا اور میں نادر کتابیں دیکھ سکتا۔ لائبریرین، حسن نے بتایا کہ ان کے پاس اس کتب خانے میں موجود کتابوں کی کوئی فہرست نہیں ہے۔ ایک ایسی کتاب بھی دیکھنے کو ملی جو چنگیز خان کے حملہ کے وقت دجلہ برد ہونے والی کتابوں میں سے تھی۔ کسی نے اسے پانی سے نکال کر محفوظ کر لیا۔ قلمی مخطوطے خاص طور پر کلام پاک کی مختلف انداز میں اور رسم الخط میں کتابت اس لائبریری کا قیمتی سرمایہ ہے۔ لائبریری ریکارڈ کے حوالے سے ایک اور کمی محسوس ہوئی کہ یہاں پر موجود نسخے اگرچہ بہت پرانے ہیں لیکن ان کی مخصوص حوالے سے کوئی شناخت نہیں ہے۔

بغداد میں جوتے پالش کرنے والے، سگریٹ بیچنے والے اور دیگر مختلف دستی کام کرنے والے زیادہ تر کرد ہیں۔ چند سال قبل امریکہ سے ہزیمت اٹھانے کے بعد صدام حسین نے کردوں کو خاص طور پر فوجی کارروائی کا نشانہ بنایا۔ تب سے یہ لوگ معاشی بدحالی کا شکار ہیں۔ ترکی بھی کردوں کے خلاف فوجی کارروائیاں کرتا رہتا ہے۔ میں نے ایک کرد بچے سے جوتے پالش کروائے۔ اس نے خود ہی اپنا تعارف کروایا اور کردوں کے بارے میں کچھ تفصیلات بتائیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ

شام پانچ بجے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں جناب امام ابو حنیفہ کے مزار پر بھی ٹھہرے، ایک تصویر بنائی۔ حضرت ابو حنیفہ اموی بادشاہ عبدالمالک بن مروان کے دور (80 ہجری) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ تھا۔ کنیت ابو حنیفہ تھی۔ اسی نسبت سے آپ مشہور ہوئے۔

آپ نے اپنی زندگی کے 52 سال دور بنی امیہ اور باقی عمر دور بنی عباس میں گزارے۔ آپ کے زمانہ میں کوفہ ایک علمی مرکز بن چکا تھا۔ سیاست' عقائد مذہب اور ہر قسم کے موضوع پر مناظرے اور مباحثے یہاں کے لوگوں کا ایک شغل بن چکا تھا۔ کوفہ کے اجتماعات میں علم کلام' فقہ' شعر و سخن' ہر ایک کا حلقہ فکر الگ الگ تھا۔ علم کلام کے حلقہ فکر میں قضا و قدر' کفر' ایمان اور کردار صحابہ پر بحث ہوتی تھی۔ ابو حنیفہ کو یہ حلقہ بہت پسند آیا اور اسی سے منسلک ہو گئے۔

دجلہ کنارے

یہاں سے ہم لوگ پرانے بغداد کے لئے اس قدیم پل (دجلہ) پر سے گزرے جس پر حاکم وقت کے حکم پر حضرت امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام کی لاش کئی روز تک رکھی گئی۔ پل کے ساتھ ہی دریا کنارے مخصوص مقام کا تعین کر کے نشان بنا دیا گیا ہے۔ سامنے ہی آپ کا روضہ مبارک پوری آب و تاب کے ساتھ آنکھوں کو منور کر رہا ہے۔ بغداد میں جناب قنبر غلام خاص امام نقیؑ اور جناب محمد بن یعقوب کلبی علیہ رحمت کے مقبرے بھی ہیں لیکن ہمیں تلاش کے باوجود نہ مل سکے۔ گائیڈ کو علم نہیں تھا اور ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا جن لوگوں سے پوچھا گیا وہ رہنمائی سے قاصر تھے۔

دیوار برلب دجلہ

دجلہ کنارے ایک دیوار موڑ برج کے شمال میں ہے۔ ہارون الرشید نے اس میں امام زادوں کو زندہ چنوا دیا تھا' آج بھی موجود ہے۔ اسے گزشتہ سفر میں ہم نے دیکھا تھا۔ ایک بار پھر وہاں آئے۔ نہروان کی جنگ' حضرت علیؑ کی چند بڑی جنگوں میں سے ایک ہے۔ اس کے مقام کا بھی تعین کوئی نہ کر سکا۔ زندگی بخیر' انشاء اللہ آئندہ موقع ملنے پر ضرور حاضری دوں گا۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے روضے پر مغربین ادا کیں۔ چند نوافل پڑھے' اجازت لی اور باہر آ نکلے۔ باب القبلہ پر 75 ہزار دینار میں لیدر کی دو جیکٹیں خریدیں۔ خیال تھا کہ مزید دو' فندق شوخان سے خرید لیں گے۔ جب ہوٹل آ کر بات کی تو نرخ بے تحاشا تھے چنانچہ

سودا طے نہ ہو سکا۔

آج قافلہ سالار، زیدی کی طرف سے تازہ مچھلی کی دعوت کا خصوصی اہتمام تھا۔ دریائے دجلہ سے زندہ مچھلی پکڑ کر دریا کنارے بھوننے اور کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ دجلہ کنارے بے شمار ریسٹورانٹ ہیں اور یہ خصوصی ڈش بڑے پر تکلف انداز سے بنائی اور پیش کی جاتی ہے۔ ایک بڑی انگیٹھی کے بیچ میں الاؤ جل رہا ہے۔ الاؤ کے اردگرد بڑی بڑی میخیں ہیں۔ مچھلی کو صاف کر کے (پیٹ چاک کر کے صاف کیا جاتا ہے) مصالحہ لگا کر ان میخوں پر لگا دیا جاتا ہے۔ الاؤ کی تپش اس مچھلی کو پکاتی ہے۔ کھانے میں بہت لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتی ہے۔ رات کا وقت، دجلہ کا کنارا، تازہ تازہ مچھلی اور پاکستانی تنوری روٹی، مچھلی کے ساتھ کچی پیاز، ٹماٹر اور سلاد--- یہ سب کچھ ایک خواب آگیں ماحول تھا۔

الف لیلہ کا بغداد، سندباد جہازی اور الہ دین کا بغداد، خوابوں کا شہر، خیالوں کا شہر ہمارے اردگرد تھا۔ کچھ باتوں کا تصور حقیقت سے زیادہ پر کشش ہوتا ہے۔ بغداد بھی حقیقت اور تصور میں بہت مختلف ہے لیکن دجلہ کنارے لیلیٰ شب کی زلفیں بکھرتی جارہی تھیں۔ ہوائیں مشام جاں معطر کر رہی تھیں۔ صدیوں پرانی تہذیب کا گہوارہ بغداد ہمیں ہلکورے دے رہا تھا۔ میں جادوئی کہانیوں کے شہر، علم و ادب کے سرپرست، ہزاروں برس کی تاریخ کے امین، بغداد میں، کسی لمحہ موجود کا اسیر ہونا چاہتا تھا تاکہ ان لمحوں کی بازگشت مجھے لاہور میں محسوس ہوتی رہے۔ کبھی کبھی ماضی میں اتر جانا کتنا رومانی ہوتا ہے۔ دجلہ کنارے گزارے لمحوں کی کشید انشاء اللہ پھر کسی وقت اپنے قارئین کو ضرور پیش کروں گا۔

پوری عراق میں "شب جمعہ" شادیوں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ بے شمار براتیں کاروں کی قطاروں میں، ویگنوں اور بسوں کے جلو میں شہر میں اِدھر سے اُدھر آجارہی تھیں۔ اپریل کی رات موسم کے لحاظ سے انتہائی خوشگوار تھی۔ براتوں کے ساتھ روائتی ڈفلی کی دھنیں بھی سنائی دے رہی تھیں چونکہ یہاں شب جمعہ کے علاوہ کسی اور دن شادی نہیں ہوتی اس لئے یہ رات خوب ہنگامہ خیز ہوتی ہے۔ بغداد میں حاجیوں اور زائرین کے

دم سے بہت رونق ہے ورنہ زیادہ تر شہریوں کو تو دو وقت کی روٹی کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ دکانیں کھلیں ہیں، گاہک نہیں ہے۔ بین الاقوامی پابندیوں نے عراقی عوام کی زندگی جہنم بنا دی ہوئی ہے۔ مہنگائی کے ہاتھوں لوگ پریشان ہیں لیکن عالمی پابندیوں اور حکومت کے جبر کے پیش نظر کوئی فرد احتجاج کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا۔ مکمل آمریت کی بھیانک شکل دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی مارشل لاء لگانے کی دھمکیاں ضیاء الحق بھی دیا کرتا تھا لیکن پھر اس کا جو انجام ہوا وہ دنیا کے سامنے ہے۔ رات بارہ بجے کے بعد دجلہ کنارے سے اٹھے اور اپنی رہائش والے ہوٹل، فندق شوخان کو روانہ ہوئے۔ صبح پانچ بجے عراق سے روانگی ہے۔

خوشبو مزار حضرت بہلول دانا

ہوٹل شوخان میں نماز فجر کے بعد اچانک خوشبو سے کمرہ معطر ہو گیا۔ یہ خوشبو جانی پہچانی سی تھی۔ یاد آیا کہ حضرت بہلول دانا کے مزار پر یہی خوشبو ہمارے رگ و پے میں اتری تھی۔ حیرت ہوئی کہ یہ خوشبو یہاں کیسے پہنچی۔ تمام چیزوں کو الٹ پلٹ کیا تو سمجھ میں آیا کہ اس خوشبو کا منبع ایک تسبیح ہے۔ اتفاق سے یہ تسبیح اس وقت بیگم کے ہاتھ میں تھی جب ہم زیارت مزار، بہلول دانا کر رہے تھے۔ مذکورہ تسبیح کسی طرح اس سبز کپڑے سے مس ہو گئی ہو گی جو لحد پر لٹکا ہوا ہے۔ تسبیح سے خوشبو ابھی تک ختم نہ ہوئی تھی بلکہ یہ اب تک (پاکستان آ جانے پر بھی) موجود ہے۔ جب یہ تسبیح خریدی گئی تھی تو تب اس میں کسی قسم کی خوشبو نہیں تھی۔ اب یہ ہمیں ہمہ وقت حضرت بہلول دانا کی یاد دلاتی رہے گی۔

بغداد سو رہا تھا

17 اپریل 1998ء، فندق شوخان اور بغداد سے نکلتے نکلتے پونے چھ بج گئے۔ یاجوج ماجوج بھی آ گئے اور بس بھی پہنچ گئی۔ بغداد ابھی سو رہا تھا۔ حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا شہر ہے۔ ضروریات کی بے شمار چیزیں درکار ہوتی ہیں لیکن بغداد ابھی بیدار ہی نہیں ہوا۔ دنیا کے

بڑے شہروں میں تو زندگی صبح چار بجے ہی رواں دواں ہو جاتی ہے۔ اخبارات، سبزی ترکاری، گوشت کی نقل و حمل اور محنت مزدوری کرنے والوں کے علاوہ اپنے اپنے روزگار پر جانے والے سڑکوں پر آچکے ہوتے ہیں لیکن ظاہر ہے ہر خطے کے لوگوں کا اپنا طرز حیات ہوتا ہے۔ خالی سڑکوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہماری بس تیزی سے "المنظریہ" سرحدی چوکی کی طرف بڑھتی چلی جارہی تھی۔ اب شہر ختم ہو گیا۔ کچھ آگے نکلے ہی تھے کہ سڑک پر مشین گن لگائے پولیس بیٹھی تھی۔ پولیس والوں نے رکنے کا اشارہ کیا لیکن ڈرائیور نے اشارے سے انہیں کچھ بتایا اور گاڑی کی رفتار برقرار رکھی۔ میرا خیال تھا کہ اب مشین گن تڑتڑا اٹھے گی لیکن کچھ نہ ہوا اور گاڑی صحیح سلامت محو خرام رہی۔ اب ٹیلوں والے میدان شروع ہو گئے۔ جگہ جگہ فوجی بنکر بنے ہوئے ہیں۔ ایرانی حصہ قدرتی پہاڑی علاقہ ہے جبکہ عراقی حصہ میں مصنوعی پہاڑیاں اور ٹیلے بنا دیئے گئے ہیں۔ ایران عراق سرحد کو بہرحال دونوں طرف سے ترقیاتی سہولتوں سے آراستہ کیا جارہا ہے۔

عراقی سرزمین کا نظارہ کرتے ہوئے ہمارا یہ مختصر قافلہ ساڑھے آٹھ بجے صبح "المنظریہ" پہنچا۔ یہاں ایک خوبصورت ریسٹورنٹ میں ناشتہ کیا۔ اسی اثناء میں عراقی کسٹمز کا انچارج بھی آگیا۔ اس نے تیزی کے ساتھ امیگریشن کی کارروائی مکمل کروائی۔ امیگریشن اور کسٹمز کلیرنس کے انتظار میں بے شمار بسیں حاجیوں کو لئے کھڑی تھیں۔ ہمارے ساتھ VIP سلوک کی وجہ نقد و نقد تھی اور یہ سب کچھ جاوید زیدی کی مہارت اور عراقیوں کی ضرورت کے مطابق ہو رہا تھا۔ اب کسٹمز کا عملہ مسافروں کے سامان میں سے اپنی اپنی ضرورت کی چیزیں تلاش کرنے کے لئے جھپٹ پڑا۔ اتنے میں خبر آئی کہ کسٹمز کی ایک خاتون افسر نے ہماری بیگم کے 800 ڈالر لے کر دوڑ لگا دی ہے' ایک شور مچ گیا۔ میں اپنے کھلے سامان کے پاس کھڑا تھا اور کلیرنس تک یہاں سے ہلنا ایک حماقت کے مترادف تھا چنانچہ جاوید زیدی کو کہا کہ آپ اس معاملہ کو دیکھیں۔ انہوں نے انچارج کو بتایا۔ انچارج نے متعلقہ لیڈی آفیسر سے ڈالر واپس دلوائے۔ یہ کام موصوفہ کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ بالجبر و اکراہ اس نے رقم واپس تو کی لیکن پوری نہیں۔ پیسے گنے تو یہ 800

کی بجائے 600 ڈالر تھے۔ انچارج نے اس کی ایک نہ چلنے دی اور اہلیہ کو بالآخر تمام رقم واپس مل گئی۔

میرے پاس سامان میں سے ایک قیمتی کتاب ہتھیا لی گئی۔ احتجاج کیا تو متعلقہ اہلکار منت سماجت پر اتر آیا۔ میں نے لاکھ سمجھایا کہ یہ نجف اشرف کی چھپی ہوئی ہے۔ میرے لئے اس کا دوبارہ حصول ناممکن ہے لیکن وہ بچوں کی طرح ضد پر اتر آیا۔ بالآخر کتاب کی قربانی دے کر جان چھڑائی۔ اب بسوں کی لمبی قطار میں سے راستہ بنا کر آگے نکلنا تھا۔ یہ مرحلہ بھی کسٹمز آفیسر کی مدد سے طے ہوا۔ ایک بڑا چکر کاٹ کر بس زنجیر تک پہنچی اور پھر ہم نے عراق کی سرحد عبور کر کے ایرانی سرزمین پر قدم رکھے۔

ایران

ایران میں بار دگر

ایرانی "خسروی" چیک پوسٹ کے عملہ نے بھی تعاون کی بنیاد پر تیزی دکھانا شروع کر دی۔ یہاں بھی 35 سو حاجیوں کے بیچ میں سے نکلتے ہوئے ہم لوگ کسٹمز ہال تک پہنچے لیکن ابھی قدم رکھا ہی تھا کہ جمعہ کی وجہ سے کام بند ہو گیا۔ یہاں کا کسٹمز انچارج آیا۔ اس نے سارا سامان ایک نظر دیکھا' لوگوں کو گنا' کاغذ کے ایک ٹکڑے پر کچھ لکھا اور کہا کہ "کلیئر" آپ لوگ جا سکتے ہیں' فوراً ہی بس آ گئی۔

ایرانی بس اور ڈرائیور دونوں بہت اچھے تھے۔ ڈرائیور خود سامان اٹھا اٹھا کر لوڈ کرا رہا تھا۔ ٹھیک گیارہ بجے ہمارا قافلہ قم کے لئے روانہ ہو گیا۔ اب سفر کا یہ دوسرا مرحلہ تھا۔

قصر شیریں اور قبر شیریں

خسروی سے نکلے تو قصر شیریں پہنچے۔ سرحد پر ایران کا پہلا شہر ہے۔ یہاں جنگ کی تباہی و بربادی کے آثار اب تک موجود ہیں۔ ایک ہسپتال نظر آیا جس پر بمباری کی گئی تھی۔ اسے اسی حالت میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ ایرانی سرزمین پر صاف و شفاف سڑکیں ہیں۔ گرد و غبار کا نام و نشان نہیں۔ سرسبز و شاداب کھیت اور کھلیان دیکھ کر جی خوش ہو

گیا۔ سفر کی تھکان دور ہو گئی۔ قصر شیریں دوبارہ آباد ہو چکا ہے۔ لوگ جمعہ کی وجہ سے سڑکوں پر نظر نہ آئے۔ دکانیں اور بازار بھی بند تھے۔ سرپل ذہاب' شہرستان کی طرف پیش قدمی جاری رہی۔ جوں جوں آگے بڑھے سردی کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ آزادی میدان کا چوک آگیا۔ مسجد راہ کربلا ایک دیدہ زیب اور حسین مسجد ہے۔ جو اس چوک کی واحد عمارت ہے۔ یہ پورا چوک سرسبز' پھولوں سے لدا پھندا ایک حسین منظر پیش کر رہا تھا۔ چوک کے درمیان میں سفید پتھر سے تراشہ ہوا "براق" کا مجسمہ ایستادہ تھا اس کی موجودگی پورے منظر کو مزید حسین بنا رہی تھی۔ یہاں ظہرین ادا کیں اور پھر آگے بڑھے۔ مزید سفر چڑھائی کا تھا۔ ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ گاڑی کے شیشے بند کر دیئے گئے۔ ماحول کچھ بہتر ہو گیا۔ اس علاقے میں بہت پرانے ماڈل کی گاڑیاں نظر آئیں۔ اِکا دُکا موٹر سائیکل بھی دکھائی دیئے۔ چونکہ پٹرول سستا ہے اس لئے ہر شخص جو تھوڑی بہت استطاعت رکھتا ہے' اس نے گاڑی رکھی ہوئی ہے۔ علاقے کے لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت اور پھل فروشی ہے۔ اگلا شہر "اراک" تھا جو صنعتی شہر ہے۔ یہاں کی مصنوعات پورے ایران کی ضروریات پوری کرتی ہیں۔ ابھی ہم سرپل ذہاب سے کچھ فاصلہ پر تھے کہ ڈرائیور نے پہاڑ کے نیچے پتھر کے بنے چھوٹے سے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ "قبر شیریں ہے" یہاں فرہاد نے نہر کھودی تھی۔

ہم پہاڑ کی بلندی پر تھے۔ نیچے گہرائی میں اترنا ممکن نہ تھا۔ اگرچہ قبر تک ایک تنگ سی سڑک بھی جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی لیکن بتایا گیا کہ اس سڑک تک پہنچنے کے لئے ایک بڑا چکر کاٹنا پڑے گا۔ وقت کی کمی کے پیش نظر' سفر جاری رکھا گیا۔ ہمدان کے قریب ہائی وے پر سیدھے ہاتھ اتر کر قم اور اراک جانے والی سڑک پر مڑ گئے۔ یہ سڑک ایک طویل وادی کے بیچوں بیچ بالکل سیدھی چلی جاتی ہے۔ وادی کے ایک طرف خشک پہاڑوں کا سلسلہ ہے تو دوسری طرف برف پوش پہاڑ ہیں۔ برف پوش پہاڑ زیادہ اونچے نہیں ہیں جبکہ خشک پہاڑ بہت بلند ہیں۔ سڑک پر ٹریفک بہت کم تھا۔ سڑک کے دونوں طرف باغوں' کھیتوں اور کھلیانوں کا ایک طویل سلسلہ پایا جاتا ہے۔

ایران میں داخل ہو کر ہم نے اپنی گھڑیاں نصف گھنٹہ پیچھے کر لی تھیں۔ سرپل ذہاب آیا' چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اسے شہرستان سرپل ذہاب لکھا گیا تھا۔ کرمان شاہ سے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے مسلسل چلے آ رہے تھے۔ یہاں جگہ جگہ سڑک کنارے "خشک میوہ" فروخت ہو رہا تھا۔ محسوس ہوا کہ یہاں غربت ہے لیکن گداگری نہیں تھی' شام ہونے کو آ رہی تھی۔ چمپئی اجالا' سرمئی اندھیرے میں تبدیل ہو رہا تھا' مغربین کا وقت ہو چلا تھا۔

اراک

گاڑی کے دونوں ڈرائیور بہت خوش اخلاق اور نفیس انسان تھے۔ مجھے اور جاوید زیدی کو ایرانی قہوہ پیش کرتے اور خوش ہوتے۔ قہوہ پینے کا ایرانی طریقہ یہ ہے کہ چینی کا کیوب زبان کے نیچے رکھیں اور قہوہ کی چسکی لیں۔ ہم خوب لطف اندوز ہوئے۔ گاڑی میں سوار قافلے کے بزرگ اور واحد بچہ' علی جب بھی ضرورت کے لئے کہتے' ڈرائیور فوراً پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کر دیتا۔ یوں چلتے ٹھہرتے ہمارا قافلہ اراک شہر کی روشنیوں میں پہنچ گیا۔ شہر سے نکل کر ایک ریسٹورانٹ میں کھانا کھایا' مغربین ادا کیں۔ ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے جاری تھے۔ ایک بڑے سے نالے میں ٹھنڈا پانی رواں تھا۔ پہاڑی علاقوں جیسا صاف و شفاف تھا۔ قافلہ سالار کو قافلے کے چند بزرگ مرد و زن کی طرف سے جلی کٹی سننا پڑیں۔ ان کا کوئی قصور نہیں حضرت علیؑ کا قول ہے کہ سفر انسان کی شناخت کرا دیتا ہے۔ کچھ عمر کا بھی تقاضا ہے اور کچھ سفر کی صعوبتیں ہیں۔ بہرحال اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔

قم

کھانا کھانے اور کچھ توقف کے بعد سفر پھر شروع ہوا۔ ہماری منزل قم شہر تھا جو اس مقام سے ابھی 105 کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا' آنکھ لگ گئی۔ اچانک درود و صلوٰۃ کا شور ہوا۔ آنکھ کھلی تو سامنے قم تھا۔ رنگا رنگ شہر' چاروں طرف روشنیاں ہی روشنیاں' بڑے بڑے اسٹور' کشادہ سڑکیں اور خوبصورت عمارتیں' دیکھ کر میں کچھ متحیر سا رہ گیا۔ میرے ذہن

ہیں قم کا تصور کچھ اور ہی تھا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں اٹھارویں صدی کے قم کا تصور چپک کر رہ گیا تھا۔ دراصل اس علاقے کے بارے میں ایک یورپی سیاح کا اٹھارویں صدی کا سفرنامہ حال ہی میں زیر مطالعہ رہا تھا۔ رات کے پونے بارہ بج رہے تھے۔ سامنے "معصومہ قم" کا روضہ تھا۔

روضہ کے صدر دروازے کے سامنے ہی ہمارا ہوٹل ہے جیسے تیسے کمرے ملے ان میں سامان رکھا اور سو گئے۔ طے کر لیا کہ صبح نماز فجر کے لئے نکلیں گے۔ فجر کی اذان کے وقت آنکھ کھلی۔ محسوس ہوا کہ طبیعت بحال نہیں۔ جسم تھکاوٹ کے شکنجے سے ابھی آزاد نہیں ہوا تھا چنانچہ نماز فجر کمرے ہی میں ادا کی اور ایک بار پھر بستر پر دراز ہو گیا۔ صبح نو بجے کمروں کی باضابطہ تقسیم شروع ہوئی۔ ہم لوگ علیحدہ کمرے میں منتقل ہو گئے۔ یہاں غسل اور دیگر ضروریات کے لئے کمروں سے باہر الگ جگہ بنائی گئی ہے بہرحال کمروں سے فاصلہ زیادہ نہیں۔

بی بی معصومہ قم

18 اپریل 1998ء، دس بجے کے قریب ہوٹل سے نکلے۔ روضہ پر حاضری دی۔ معصومہ قم، بی بی فاطمہ بنت حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں۔ آپ حضرت امام رضا علیہ السلام کی ہمشیرہ ہیں۔ ہارون الرشید نے امام موسیٰ بن جعفر کو بغداد میں قید کر رکھا تھا۔ آپ نے 183 ہجری میں بغداد میں انتقال فرمایا۔ ہارون رشید کے بیٹے مامون رشید نے جناب امام رضا کو مدینہ سے خراسان آنے کی دعوت دی۔ آپ تشریف لے گئے، دو سال بعد 202 ہجری میں حضرت فاطمہؑ بھائی سے ملنے خراسان کو روانہ ہوئیں۔ قم پہنچنے سے پہلے علیل ہو گئیں۔ علالت میں ہی آپ قم میں داخل ہوئیں۔ بیماری کی حالت میں سترہ دن بعد قم میں انتقال فرمایا۔ بھائی سے ملاقات نہ کر سکیں۔ قم میں رہنے والوں کو پتہ چلا کہ آپ امام علی رضا کی بہن ہیں تو انتہائی عقیدت و احترام سے دفن کیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر بائیس برس تھی۔ آپ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ دنیا بھر سے معصومہ قم کی زیارت کے

لے لوگ آتے رہتے ہیں۔ ہر وقت ضریح پر عقیدت مندوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ ضریح خوشنما اور روضہ خوبصورت ہے۔ ایرانی زائرین' عراق اور شام میں خود تو تصویریں بناتے ہیں۔ مووی کیمرہ سے فلمیں تیار کرتے ہیں لیکن یہاں اس بات کو "ممنوع" قرار دے رکھا ہے' نماز ظہرین پڑھیں۔ مسجد میں قبلہ کا تعین تو درست سمت میں کیا گیا ہے لیکن حجرہ یا تو غلط بن گیا ہے یا پھر قبلہ کا تعین پہلے صحیح سمت میں نہ ہوا ہو گا۔ نماز پڑھ کر بھتیجی شگفتہ شریف کو زہرا اکیڈمی میں فون کرنا تھا۔ وصی کو ساتھ لے گیا۔ راشد سے بھی بات ہو گئی۔ شگفتہ سے بات ہوئی کل انشاء اللہ 3 بجے ملاقات کے لئے جائیں گے۔

قم کے بازار انواع و اقسام کی اشیاء ضرورت سے بھرے پڑے ہیں۔ یہاں "حلواہ" اور حلوائی زیادہ نظر آئے۔ خشک میوہ جات بھی بکثرت ہیں۔ بازاروں میں گھما گھمی ہے۔ عراق کی طرح اجتماعی مایوسی کی کیفیت محسوس نہیں ہوتی۔ انتہائی خوش اخلاق اور انتہائی بداخلاق دونوں طرح کے ایرانیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ قم میں علمائے کرام کی اکثریت ہے۔ مولانا ابوالحسن نقوی بھی آج کل اپنے بیوی بچوں کے ساتھ یہاں مقیم ہیں۔ ان سے بھی ملاقات متوقع ہے' تین بجے زیارات کا پروگرام ہے۔

چہل اختران

ہوٹل سے نکلتے نکلتے $3\frac{1}{2}$ بج گئے۔ پہلے "چہل اختران" کے مرقد پہنچے۔ یہاں 40 سید زادیوں کو ہلاک کیا گیا تھا۔ کچھ روایات کے مطابق یہ مقام "چہل دختران" یعنی چالیس بیٹیاں ہیں جبکہ روضہ میں نصب ایک کتبہ کے مطابق "چہل اختران" یعنی چالیس ستارے ہیں۔ ایک کتبے پر صفوی حکمران شاہ طہماسپ کا نام لکھا ہے۔ پہلے یہ ایک چوکور چبوترہ کی شکل کا مقام تھا لیکن موجودہ حکومت ایران نے اس کو ایک خوبصورت ضریح سے آراستہ کر دیا ہے۔ اوپر گنبد بھی تعمیر کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلا شخص جو یہاں دفن ہوا' وہ محمد بن موسیٰ مرقع تھا۔ جناب موسیٰ مرقع اپنے چہرے پر ایک برقعہ (نقاب) ڈالے رکھتے تھے کیونکہ آپ کی جلد اتنی حساس تھی کہ تمازت آفتاب برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسی وجہ

سے آپ کو موسیٰ مرقع کہتے ہیں۔ اس جگہ حضرت امام زادہ موسیٰ بن جواد اور حضرت موسیٰ مرقع' جد سادات کا ایک علیحدہ روضہ ہے۔ اندر سے روضہ کی قدامت کے آثار واضح ہیں۔ اس زمانے میں دیواروں پر کندہ کی گئیں آیات قرآنی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں ایک بہت ہی پرانا اور بوسیدہ قالین لٹکا ہوا ہے۔ اس میں شبیہ حضور انور' ان کی گود میں دونوں نواسے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ ہیں۔ ان کے ایک طرف حضرت علیؑ اور دوسری جانب بی بی فاطمہؑ ہیں۔ ان کا چہرہ نظر نہیں آتا۔ پیچھے حضرت جبرئیل علیہ السلام کھڑے ہیں۔ ظاہر ہے تصویر خیالی اور تصوراتی ہے۔ مذکورہ شبیہ والا قالین صدیوں پرانا ہے۔ ادھر اہم روضوں پر تصویر کشی ممنوع ہے لیکن بازاروں' بسوں اور مختلف جگہوں پر مقدس ہستیوں کی تصاویر عام ہیں۔

مزار امام زادہ اسمٰعیلؑ

چہل دختران سے ہم لوگ حضرت امام زادہ حضرت اسمٰعیلؑ بن محمد جعفر صادق علیہ السلام اور مزار امام علیؑ بن جعفر صادق علیہ السلام گئے۔ یہاں ایک اور دستور ہے کہ پرانے روضوں کے صحن میں سطح زمین پر قبریں بنا دی گئی ہیں۔ ان پر مدفون کے پورے نام' کوائف اور تاریخ وفات کندہ ہے۔ اب آپ کتنی ہی احتیاط برتیں ان کے اوپر سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ یوں متبرک ناموں کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ یہ خاکی بندوں کے نام ہیں اس لئے کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ مسئلہ بہت آسانی سے حل ہو سکتا ہے کہ قبر پر صرف نمبر ہو اور نمبروں کی تفصیل دیوار پر آویزاں یا کندہ ہو۔ اس طرح زائرین اذیت سے بچ جائیں گے۔

مسجد جمکران

یہاں سے ہم لوگ مسجد جمکران پہنچے۔ یہ ایک بہت بڑا کمپلیکس ہے جو ابھی زیر تکمیل ہے۔ اس مقام کی فضیلت یہ ہے کہ یہ مسجد امام زمانہ ہے۔ اسے چوتھی صدی کے آخر میں امام زمانہ کے حکم سے تعمیر کیا گیا۔ حسن بن مثلہ جمکرانی کو امام زمانہ کی طرف سے

اس مسجد کی تعمیر کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ سترہ رمضان المبارک کو اس جگہ، جہاں یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے، حالت بیداری میں حسن بن شلہ جمکرانی نے بہ نفس نفیس امام زمانہ کے بے شمار معجزات اور کرامات مشاہدہ کئے۔ صدق دل سے تعمیر مسجد کے حکم سے آگاہ ہو کر اپنے دوستوں اور مخلصین کے تعاون سے مکمل کیا۔ مسجد جمکران میں کیفیت نماز مختلف ہوتی ہے، نماز بھی مخصوص ہے۔

رہائش امام خمینی

مسجد جمکران سے واپسی کا رخ کیا۔ پرانے قم سے گزرتے ہوئے حضرت امام خمینی کی ذاتی رہائش گاہ دیکھنے کے لئے کچھ دیر رکے۔ یہ رہائش گاہ آج بھی ان کے خاندان کے زیر استعمال ہے۔ عمارت کو پوری طرح سرکاری اعزاز میسر ہے۔ ایک منزلہ سیدھا سادا سا گھر ہے۔ مٹی کی لپائی ہے۔ کروفر نام کی کوئی چیز اس جگہ نہیں پائی جاتی۔ قم میں چھ سو سے زائد امام زادوں اور امام زادیوں کے مقامات ہیں لیکن اس کے لئے بہت وقت چاہئے۔ مختصر وقت میں ہر ایک تک پہنچنا ممکن نہیں۔

نیا اور پرانا قم اب ایک عظیم الشان شہر کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ترقی کا عمل تو بہرحال جاری ہے۔ عصر کے وقت ہوٹل واپس پہنچ گئے۔ نماز مغربین کے بعد کمرے میں کھانا کھایا۔ بیگم کو آرام کرنے کا مشورہ دیا کہ اب ان کی طبیعت ناساز سی تھی خود میرا بھی حال کچھ اچھا نہ تھا لیکن سخت نزلے اور ہلکے بخار کے باوجود مولانا سید ابوالحسن نقوی سے ملاقات کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ مولانا موصوف ہمارے سابق پیش امام ہیں۔ ایک ٹیکسی لی اور ان کے گھر جا پہنچے۔ ٹیکسی ڈرائیور بظاہر ہونق معلوم ہو رہا تھا۔ ہم اس کا خاکہ اڑا رہے تھے لیکن وہ بہت تیز نکلا۔ اس نے ٹریفک رولز کی تھوڑی سی خلاف ورزی کی اور اچانک ہی ہمیں مولانا کے گھر کے سامنے پہنچا دیا۔ اب ہم سوچ رہے تھے کہ 5 منٹ کے 400 تومان یعنی 4 ہزار ریال--- یہ تو ہاتھ ہو گیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ جبر کیا اور ایرانیوں کے بارے اپنی رائے پر نظرثانی کی۔ ہونق آدمی ہمیں الو بنا گیا تھا۔ اگر ہمیں راستوں کا علم

ہوتا تو 400 تومان کیوں دیتے۔ کسی کی بے خبری سے فائدہ اٹھانا کس حد تک جائز ہے؟ یہ تو ہمارے ایرانی دوست ہی بتا سکتے ہیں۔

مولانا نقوی سے ملاقات

مولانا ابوالحسن نقوی سے ملاقات بہت مفید رہی۔ انہوں نے قم اور مشہد کے حوالے سے بہت کچھ بتایا۔ مولانا آج کل ہفتہ میں تین دن مسجد جمکران میں نماز پڑھا رہے ہیں۔ قم میں سرشام ٹھنڈی ہوائیں بلکہ تیز جھکڑ چلنا شروع ہو گئے ہیں۔ میری طبیعت خاصی بوجھل ہے۔ نزلہ عروج پر ہے۔ علاج کے بارے میں سوچا لیکن پھر وہ بات یاد آئی کہ کسی نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ نزلہ کتنے دن میں ٹھیک ہوگا؟ جواب ملا' سات دن میں۔ مریض نے دوبارہ پوچھا اگر دوا لے لوں تو؟ ڈاکٹر نے جواب دیا' تب ایک ہفتہ لگے گا۔

مولانا نقوی کے گھر سے نکلے تو میں نے کہا کہ اب واپسی پیدل ہوگی۔ ان کے گھر سے بی بی معصومہ قم کے روضہ کے مینار نظر آ رہے تھے۔ پرانی وضع کی آبادی کی گلیوں اور راستوں پر چل نکلے۔ راستے میں ایک نوجوان سے راستہ پوچھا۔ پہلے تو وہ زبانی بتانے لگا پھر بولا۔ آیئے میں آپ کو روضہ تک چھوڑ آتا ہوں۔ وہ جن گلیوں میں سے لے کر ہمیں روضہ تک آیا' ہم اکیلے وہاں سے نہیں گزر سکتے تھے۔ رات کے 11 بج رہے تھے۔ گلیاں سنسان تھیں۔ یہ نوجوان دراصل پاکستانی تھا اور قم کے کسی دینی مدرسہ میں زیر تعلیم تھا۔ اس نے بتایا کہ شام سے اب تک وہ چھ دیگر زائرین کو بھی روضہ تک پہنچا چکا ہے۔ رضاکار قسم کا یہ نوجوان ثواب کمانے کے چکر میں مشقت اٹھائے جا رہا تھا۔ روضہ تک پہنچتے پہنچتے ہم نے نمائش گاہ کتب اور منڈی پھل فروشاں بھی دیکھ لی۔

روضہ بی بی معصومہ

بی بی معصومہ کے زائرین کے قیام کے لئے بنائی جانے والی عمارت کے باہر ایک شاندار دستشوئی (ٹائلٹ) مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ تعمیر کی گئی ہے۔ یہاں وضو کا بھی نہایت عمدہ انتظام ہے۔ زائرین کے ٹھہرنے کے لئے فرشی کمرے بنے ہوئے ہیں

جہاں وہ مفت قیام کر سکتے ہیں لیکن یہ سہولت صرف ایک رات کے لئے ہوتی ہے تاکہ اگلے روز نئے آنے والے زائرین اس سے استفادہ کر سکیں۔ رات کے اس پہر بھی بازار ابھی تک کھلے ہیں۔ "سوھان حلواہ" مختلف انداز کا ہے اور جگہ جگہ دستیاب ہے۔ لگتا ہے قم کی سب سے بڑی سوغات یہی ہے۔ کل کوئی اجتماعی مصروفیت نہیں۔ انفرادی پروگرام صبح اٹھ کر بنائیں گے۔

معصومہ قم' بی بی فاطمہ کا روضہ کیسا ہے؟ الفاظ میں بیان کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اس کے دروازے' صحن' ستون' مینار اور گنبدوں کی تعریف جس قدر کی جائے کم ہے۔ بی بی کا گنبد نمایاں اور منفرد ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسجد الاعظم ہے۔ اس مسجد کے رخ کے حوالے سے پہلے چند سطور لکھ چکا ہوں۔ رات اور دن میں جتنی بار بھی مسجد اور روضہ پر حاضری دی ہے' ہر بار ایک منفرد انداز سامنے آیا ہے۔ مسجد اور روضہ کے درمیان ایک چھوٹا سا گنبد ہے۔ اس کے نیچے "مسجد خمینی" ہے۔ صحن مسجد میں چند برگزیدہ بندوں کی قبریں موجود ہیں۔ کچھ قبریں اندرون مسجد نمایاں ہیں جبکہ کچھ فرش کے ہموار ہیں۔ قالین کے اوپر (قالین کی بنت میں) ہی کتبہ لکھا نظر آتا ہے۔ یہاں بھی وہی انداز ہے جو چہل دختران کے حوالے سے ذکر کیا جاچکا ہے۔ دفن کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ جتنے زیادہ لوگ اس پر سے گزریں گے مرحومین کو اتنا ہی ثواب ملے گا۔

قم کا نانبائی

19 اپریل 1998ء' گزشتہ رات نزلہ زوروں پر تھا لیکن صبح سو کر اٹھا تو افاقہ محسوس ہوا۔ مسجد الاعظم میں نوافل پڑھتے ہوئے ہوا لگی اور پھر کام شروع ہو گیا۔ انشاء اللہ طبیعت جلد ٹھیک ہو جائے گی۔ حرم کے باہر گرم شیر (دودھ) بیچنے والے بیٹھے ہیں۔ مقامی لوگ ایک یا دو گلاس پی کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ بعض لوگ نماز سے فارغ ہو کر یہ کام کرتے ہیں۔ آج میرا بھی جی چاہ رہا ہے کہ گرم شیر پیئوں لیکن سفر میں احتیاط کے پیش نظر "صبر" کرنا پڑتا ہے۔ طبیعت سنبھل گئی ہے۔ اگرچہ نزلہ موجود ہے لیکن انشاء اللہ کل تک

ٹھیک ہو جائے گا۔ ہوٹل آکر تازہ دودھ کی چائے بنائی' ناشتہ آج بھی پہلے کی طرح چائے کیک تھا۔ جی نہ مانا خود بازار کے لئے چل پڑا۔ ایک بازار سے 100 تومان کے 4 انڈے لئے۔ دوسرے بازار سے ایک نان لیا۔ جب قیمت پوچھی تو یک صد تومان طلب کئے گئے۔ تنور والے نے صرف 90 تومان زیادہ رکھ لئے تھے۔ میں اسی وقت سمجھ گیا کہ نان بائی' بے ایمانی پر اتر آیا ہے لیکن یہ سوچ کر خاموشی سے آگے چل دیا کہ بزرگ آدمی ہے اسے کیا کہوں؟

قم کے ہر بازار سے "مولوی" کتابیں لے کر درس کے لئے حرم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آج کسی بڑے عالم نے درس دینا تھا۔ قم' علم کا شہر ہے۔ یہاں عظیم الشان لائبریریاں سرکاری سطح پر اور بڑے بڑے کتب خانے ذاتی سطح پر موجود ہیں۔ شہر میں بے شمار دکانیں صرف کتابوں کے لئے ہیں۔ جگہ جگہ کتابوں کی نمائش لگی ہوئی تھی۔ مطبوعہ قیمت پر 15 فی صد خصوصی رعایت کا اعلان تھا۔ شہر میں بے شمار دینی مدرسے اور تین بڑی یونیورسٹیاں ہیں۔ یہاں سے ہر سال تقریباً دس ہزار طلبا و طالبات فارغ التحصیل ہو کر دنیا بھر میں دین کی خدمت کے لئے پھیل جاتے ہیں۔ مدرسۃ الزہرا' قم کا سب سے بڑا مدرسہ ہے۔

مسجد جمکران کی فضیلت

اگر میرے پاس وقت ہوتا تو شہر کی ایک ایک لائبریری میں جا کر علمی خزانے کا دیدار کرتا۔ گزشتہ رات مولانا ابوالحسن نقوی نے شہر کے چند ذاتی کتب خانوں کے بارے میں بتایا تھا جہاں بے حد قدیم قلمی نسخے اور نادر و نایاب کتب ذخیرہ ہیں۔ اشاعت و طباعت کے میدان میں تو ایران شروع ہی سے صف اول میں رہا ہے جبکہ مطالعہ کے معاملہ میں ایرانی قوم ایشیائی قوموں میں پہلے نمبر پر ہے۔ رات مولانا نقوی سے ہم نے پوچھا کہ کون سی زیارت تواتر سے کرنا افضل ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جتنے دن قم میں رہنا ہو' روزانہ مسجد جمکران ضرور جانا چاہئے چنانچہ آج صبح 10 بجے ہم لوگ ٹیکسی لے کر جمکران مسجد مقدس جا پہنچے۔ گزشتہ روز کی تشنگی دور ہو گئی۔ واپسی پر پوری مسجد اور زیر تعمیر کام کا

جائزہ لیتے ہوئے صدر دروازے پر پہنچے تو ٹیکسی دستیاب نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد ایک ٹیکسی مل گئی اس نے جلد ہی حرم پہنچا دیا۔ ہم نے جمکران جانے کے 3 سو تومان ادا کئے تھے۔ اس ٹیکسی والے نے واپسی کیلئے ہم سے 2 سو تومان لئے جس کی جو مرضی ہو وہ کر لیتا ہے۔ ایران میں حکومت نے ٹیکسی ڈرائیوروں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ زائرین کو جس طرح چاہو اذیت پہنچاؤ۔ ساری دنیا میں ٹیکسی میٹر پر چلتی ہے اور ظاہر ہے ریٹس مقرر ہیں لیکن یہاں زبانی کرایہ طے کیا جاتا ہے۔ زائر کو تو راستوں اور فاصلوں کا علم نہیں ہوتا۔ میٹر چلتا ہے تو کسی زیادتی کا احتمال نہیں رہتا لیکن یہاں حکومتوں کا احتساب بے اثر رہتا ہے۔ پھر زائرین کے لئے زبان بھی ایک بنیادی مسئلہ ہوتا ہے۔

ٹیکسی ڈرائیور کا ہنگامہ

حرم میں ظہرین پڑھیں۔ دوپہر کا کھانا "مچھلی نان" کھایا اور $2\frac{1}{2}$ بجے زہرا اکیڈمی میں زیر تعلیم اپنی بھتیجی شگفتہ شریف سے ملاقات کے لئے ٹیکسی لی۔ ٹیکسی والے سے مولانا شبیر تیمی کے گھر بلوار امین کوچہ زینبیہ پہنچنے کے لئے 300 تومان طے ہوئے۔ بمشکل دو فرلانگ کا فاصلہ تھا لیکن ایک گھنٹہ تلاش میں گزر گیا۔ سوچا فون کرکے ایڈریس کی وضاحت کر لیتے ہیں۔ ایک ٹک شاپ پر گئے فون کی درخواست کی۔ دکاندار بولا پہلے کوئی چیز خریدو، پھر پیسے لے کر فون کرنے دوں گا۔ ایران میں لوکل کال مفت ہے لیکن ہمیں مجبوری میں دکاندار کا مطالبہ پورا کرنا پڑا۔ پھر تلاش شروع ہوئی لیکن ناکام رہے چنانچہ ایک اور جگہ سے فون کیا۔ تب مولانا نے پتہ سمجھایا اور ہم وہاں پہنچے۔

اب ٹیکسی والے نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ وہ طے شدہ تین سو کی بجائے دو ہزار تومان طلب کر رہا تھا۔ ہم ڈبل یعنی 600 تومان دینے پر آمادہ تھے۔ وہ قبول نہیں کر رہا تھا، بدتمیزی پر اتر آیا۔ مجبوراً جاوید زیدی اسے پولیس اسٹیشن لے گئے۔ راستے میں منت سماجت پر اتر آیا کہ جو مرضی میں آئے دے دو۔ پولیس اسٹیشن پر ٹیکسی ڈرائیور نے کہا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ایک بجے سے خوار ہو رہا ہے جبکہ پونے تین بجے ہم اس کی ٹیکسی

میں بیٹھے تھے۔ پولیس نے اسے قرآن کی قسم کھانے کو کہا اور پوچھا کہ بتاؤ کتنے پیسے بنے ہیں۔ اس نے قرآن کی جھوٹی قسم کھائی اور ایک ہزار تومان طلب کئے جو ادا کر دیئے گئے۔ پولیس نے ٹیکسی والے سے گاڑی کی چابی لے کر اپنے پاس بٹھا لیا اور جاوید زیدی کو فارغ کر دیا۔

زیدی صاحب فارغ ہو کر ہمارے پاس آگئے۔ اس دوران ہم نے عزیزہ شگفتہ سے حال احوال پوچھ لیا تھا۔ کچھ مقامی مٹھائی عزیزہ اور استاد شبیر تیمی صاحب کو پیش کی۔ چند تصاویر بنائیں اور اجازت لے کر رخصت ہونے لگے تو تیز بارش شروع ہو گئی۔ مجبوراً کچھ دیر مزید ٹھہرے۔

بارش رکی تو ہم لوگ بلوار امین پر آگئے۔ سڑک کے دونوں طرف پانی ہی پانی جمع ہو گیا۔ ٹیکسی لی اور سرسبز و شاداب بلوار امین سے واپس "مہمان پزیری بلوار" میں پہنچ گئے۔ مغربین ادا کرنے حرم میں گیا تو ایک انکشاف ہوا۔ باہر جو مسجد الا عظم لکھا ہے وہ اندر سے بالکل علیحدہ ایک مسجد ہے۔ حرم اور اس کے درمیان شیشہ کا پردہ ہے اور نیچے کپڑا لگا ہے۔ مجھے تین روز کے بعد آج اس بات کا احساس یوں ہوا کہ میں مغرب اور عشاء کی قصر نماز پڑھ کر جلد واپس آنا چاہتا تھا اس لئے پہلے ہال میں داخل ہو گیا۔ ایک عظیم الشان گنبد کے نیچے یہ مسجد اپنی پوری تمکنت کے ساتھ موجود ہے۔ یہاں دو رکعت تحیت المسجد پڑھے اور پھر واجبات ادا کئے۔ یہ مسجد اور حرم ایک درس گاہ بھی ہے۔ جہاں قم میں مقیم اساتذہ اور علمائے کرام کے علاوہ باہر سے آنے والے علمائے کرام اپنے خطبات سے علم کی روشنی پھیلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شروع میں مجھے قبلہ کے تعین پر حیرت ہوئی۔ حالانکہ اصل مسجد کا قبلہ بالکل درست سمت ہے۔ حرم کے اندر حسب ضرورت اس کا تعین کیا گیا ہے۔ آج کی رات قم میں ہمارے سفر کی یہ آخری رات ہے۔ صبح آٹھ بجے تہران کے لئے روانگی ہوگی۔ انشاء اللہ!

تہران کو مراجعت

20 اپریل 1998ء' ساڑھے سات بجے صبح پروگرام کے مطابق تہران کے لئے روانگی ہوئی۔ چھوٹی بس کی چھت پر سامان لاد دیا گیا۔ بس چلی اور ہم لوگ قم سے تہران جانے والی شاہراہ پر پہنچے۔ راستہ میں قم کی چند مزید بستیاں نظر آئیں۔ سڑک کے ایک طرف گل و گلزار تو دوسری طرف قدیم زمانے کے کچے مکانات تھے۔ قم کی ان بستیوں میں سڑکیں پل' انڈر پاس' اوورہیڈ' سب کچھ وسیع و کشادہ تھا۔ کسی بھی جگہ ٹریفک رکنے یا پھنسنے کا مسئلہ درپیش نہ تھا۔ چوک خوبصورت' جگہ جگہ فوارے اور پارک' ان میں ہرن اور بارہ سنگھوں کے مجسمے دلکش مناظر پیش کر رہے تھے۔ ایران میں اہم مقامات پر نماز اور صدقے کے بارے میں امام خمینی کے ارشادات پر مبنی کتبے بھی نظر آتے ہیں۔ جب شاہراہ تہران پر پہنچے تو آگے موٹروے تھا۔ چند تومان ٹال ٹیکس ادا کرکے پولیس چوکی پر گاڑی رکی۔ ڈرائیور نے راہداری کے لئے جملہ کوائف درج کرائے اور آگے چل پڑا۔

ایران میں پبلک ٹرانسپورٹ میں حکومت کا 40 فیصد حصہ ہے۔ ریٹس مقرر ہیں۔ جب کوئی گاڑی' ٹیکسی یا بس ایک جگہ سے دوسری جگہ (ایک شہر سے دوسرے شہر) جانے کے لئے ٹرمینل سے نکلتی ہے تو اس کا اندراج ہوتا ہے۔ اس ریکارڈ کی ایک کاپی متعلقہ بنک اور ایک کمپنی کو چلی جاتی ہے۔ اس طرح حکومت نہ صرف ٹرانسپورٹ کے کاروبار پر نظر رکھے ہوئے ہے بلکہ پوری طرح حساب کتاب سے آگاہ رہتی ہے۔ سسٹم بھی درست رہتا ہے اور اسے اپنا 40 فیصد منافع بھی موصول ہوتا رہتا ہے لیکن مقامی سطح پر ہمیں جتنے بھی ایرانی ٹیکسی یا دیگر ٹرانسپورٹ کے ڈرائیوروں سے واسطہ پڑا وہ انتہائی جھوٹے' بے ایمان اور معاملہ طے کرنے کے بعد جھگڑا کرنے کے عادی معلوم ہوئے۔ البتہ خسروی چیک پوسٹ سے قم لانے والے دونوں ڈرائیور مختلف تھے۔ عام ڈرائیور تو گورنمنٹ کے طے کردہ ریٹس سے زیادہ معاملہ طے کرتے ہیں' پھر آخر میں بخشیش لے کر جان چھوڑتے ہیں۔ مزید یہ کہ کربلا کا تحفہ خاک شفا اصرار کرکے لیتے ہیں' چومتے ہیں' چاٹتے ہیں لیکن کربلا سے آنے والے زائر سے کرایہ اور بخشیش کے معاملہ میں قطعاً کوئی رعایت نہیں

برستے۔

بی بی کی مسیحائی

روانگی سے پہلے نماز فجر اور پھر اجازت کے لئے جب فاطمہ بی بی معصومہ قم کے روضہ پر حاضر ہوا تو اذان ہو رہی تھی۔ نماز باجماعت ادا کی اور الوداعی سلام کے لئے ضریح کے پاس دست بستہ سلام عرض کیا۔ اپنی طرف سے' اپنے مرحومین کی طرف سے' دوستوں' عزیزوں اور ان تمام احباب کی طرف سے جنہوں نے التماس دعا کی تھی' سلام عرض کیا۔ کلام آخر کرتے کرتے میں نے بی بی سے عرض کیا۔ بی بی' کیا میں یہاں سے بیماری کی حالت میں ہی جاؤں گا۔۔۔

ضریح کے اندر قبر کا تعویذ ترچھا نصب ہے۔ جس سمت میں' میں کھڑا تھا وہ چوڑائی کی سمت سرہانے والا حصہ ہے۔ اس کا آدھا حصہ عورتوں کی طرف اور آدھا مردوں کی طرف ہے۔ میں نے دیکھا کہ عورتوں والے حصہ میں ایک خاتون چادر میں ملفوف کچھ پڑھ رہی ہے۔ جب میں نے کہا کہ بی بی کیا میں بیماری کی حالت میں ہی واپس جاؤں گا۔ اس خاتون نے سر اٹھا کر ایک لمحہ کے لئے مجھے دیکھا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر سر جھکا لیا۔ ایک لمحہ کے لئے میری حالت کچھ عجیب سی ہو گئی۔ میں نے خود کو سنبھالا۔ ہوش آیا تو وہاں کچھ نہ تھا۔ پلک جھپکنے میں وہ خاتون وہاں سے غائب تھی۔ دوبارہ وہاں دیکھا' اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں لیکن اب وہاں کچھ نہ تھا۔

گزشتہ رات میری طبیعت سخت خراب رہی تھی۔ سخت نزلہ زکام اور بخار تھا لیکن اب میری کیفیت مختلف تھی قم سے تہران اور تہران سے مشہد کا سفر تقریباً 12 سو کلومیٹر' درپیش تھا۔ یہ سفر اب ٹرین سے طے ہونا تھا لیکن گزرنے والا ہر لمحہ مجھے نئی توانائی دے رہا تھا۔ یقیناً یہ بی بی کی مسیحائی تھی۔ امام خمینی کے مزار تک پہنچتے پہنچتے ٹوپی اور مفلر اتر چکے تھے۔

مزار امام خمینی

امام خمینی کا مزار تہران سے 20 کلومیٹر پہلے آتا ہے۔ قائداعظم سے منسوب کمپلیکس کی جگہ سے کم از کم تین گنا بڑے رقبہ پر محیط ہے۔ تیزی سے تعمیراتی کام جاری ہے۔ مقبرہ بھی ڈھانچے کی شکل میں تیار ہے۔ گنبد بن چکا ہے۔ پوری عمارت میں پہلے سٹیل کا ڈھانچہ بنتا ہے پھر اس میں ٹائیل لگا کر سٹیل کو چھپا دیا جاتا ہے۔ ایران میں ہر جگہ ہم نے تعمیر کا یہی انداز دیکھا۔ اس کی وجہ یہاں زلزلوں کی بہتات ہے۔ ایسے ڈھانچوں والی عمارتیں زلزلوں کے جھٹکے برداشت کر لیتی ہیں۔ ایک سمت میں رہائشی کمروں پر مشتمل کئی بڑے بڑے کثیر منزلہ اپارٹمنٹس ہیں۔ دوسری سمت لائبریری اور مقبرے کے ساتھ عظیم الشان مسجد ہے۔ نیچے تہہ خانوں میں شاندار قسم کے زنانہ و مردانہ دستشوئی یعنی ٹائلٹس ہیں۔ یہاں ہر وقت سکولوں کے بچوں اور بچیوں کی بسیں آتی رہتی ہیں۔ انہیں برائے نام قیمت پر غذا اور امام خمینی کے بارے میں لٹریچر مہیا کیا جاتا ہے۔ سنا ہے یہ عمل سارا سال جاری رہتا ہے۔ تمام ایران سے بچے یہاں آتے' ٹھہرتے اور اپنے رہبر کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہتے ہیں مقبرہ تعمیر ہو رہا ہے' اندر زیارت وغیرہ آویزاں کی گئی ہے اور راستوں میں روضہ مطہر حضرت امام خمینی لکھا گیا ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ خمینی نے شاہی نظام کو توڑا اور ایرانی عوام کو باہم جوڑا ہے

امام خمینی کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے جب ہم مقبرے میں داخل ہوئے تو پولیس نے کیمرے پر اعتراض کرتے ہوئے ہمیں یاد دلایا کہ یہاں تصویر ممنوع ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم تو پاکستان سے آئے ہیں۔ اس پر پولیس آفیسر نے فون پر اپنے کسی بڑے عہدیدار سے بات کی اور پھر ہمیں کیمرہ ساتھ رکھنے کی اجازت مل گئی۔ ہمیں تصاویر

اتارنے کی بھی اجازت دے دی گئی۔ مقبرے میں بڑی قبر امام خمینی کی اور چھوٹی ان کے صاحب زادے احمد خمینی کی ہے۔ یہاں ابھی ضریح سیدھی سادی ہے لیکن عقیدت مندوں نے یہاں بھی دو رکعت نماز پڑھنا اور ضریح کو چومنا شروع کر دیا ہے۔ کچھ عقیدت مند ضریح میں پیسوں کی صورت میں نذرانہ بھی ڈال رہے تھے۔ ہم فاتحہ پڑھ کر باہر آ گئے۔

کافی دیر تک ہم موجودہ صورت حال اور اس سے جنم لینے والے ممکنہ مستقبل کے بارے میں سوچتے رہے۔ یہاں چند برسوں میں تہران سے 20 میل دور جنگل میں منگل ہو گیا ہے۔ آنے والے دنوں میں یہ مقام ایرانیوں کی عقیدت کا ایک بڑا مرکز بن جائے گا۔ اس کے برعکس ہم لوگ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر قائداعظم کے ساتھ انصاف نہیں کر رہے۔ جو قومیں اپنے رہبر اور قائد کا احترام نہیں کرتیں وہ انجام کار بے ہمت' بے حوصلہ اور بے عزم قوم بن جایا کرتی ہیں۔ ان پر نالائق' نااہل اور نکمے لوگ حکمران بن جاتے ہیں۔ قائداعظم اور پاکستان کے حالات پر خون کے آنسو روتے ہوئے ہم تہران شہر میں داخل ہوئے۔ رخ شمال کی جانب پہاڑی سلسلے کی بلندی تھا۔

بی بی شہربانو

یہاں بی بی شہربانو کا روضہ اور وہ غار موجود ہے جہاں آپ رہا کرتی تھیں۔ بی بی شہربانو کے بارے میں تاریخ کی کتابیں تضاد کا شکار ہیں۔ موقع پر جو نشانات موجود ہیں وہ بھی اپنی جگہ سچے ہیں۔ جناب شہربانو سلام اللہ علیہا' کی منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ امام زین العابدین علی بن الحسین علیہ السلام کی والدہ محترمہ' امام عالی مقام کی زوجہ اور حضرات علی و فاطمہ علیہما السلام کی بہو ہیں۔ آپ نوشیرواں عادل بادشاہ ایران کی اولاد میں سے تھیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد بن شہریار کی بیٹی حضرت عمر کے پاس لائی گئی تو مدینہ میں اس کے حسن کا غلغلہ مچ گیا۔ مدینہ کی تمام لڑکیاں اس کا حسن و جمال دیکھنے کے لئے گھروں سے باہر آ گئیں۔ مسجد مدینہ' موصوفہ کے چہرہ کی تابانی سے روشن ہو گئی۔ ایرانی شہزادی کے

مستقبل کے لئے مشاورت ہوئی۔ حضرت امیرالمومنین کرم اللہ وجہ نے فرمایا کہ اس کو اختیار دے دیا جائے کہ وہ کسی ایک مسلمان کا انتخاب کر لے اور اس سے شادی کر لے۔ اس کا حق مہر بیت المال میں سے اس شخص کے عطیہ میں حساب کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کا یہ ارشاد قبول کر لیا اور کہا کہ اہل مجلس میں سے کسی کو منتخب کر لو۔ شہزادی آگے بڑھی اور اپنا ہاتھ حضرت امام حسین کے کندھے پر رکھ دیا چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فارسی زبان میں اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ عرض کیا جان شاہ! حضرت نے فرمایا' تیرا نام تو شہربانو رکھا گیا تھا۔ عرض کیا کہ یہ تو میری بہن کا نام ہے۔ حضرت نے فرمایا تو سچ کہتی ہے۔ پھر آپ نے حضرت امام حسین کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ اس نیک بخت کی نگہبانی کرنا۔ اس سے نیک سلوک کرنا کیونکہ اس سے ایسا بچہ پیدا ہو گا جو تمہارے بعد تمام اہل زمین سے بہتر ہو گا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام آپ ہی سے پیدا ہوئے۔ آپ شہربانو کے نام ہی سے مشہور ہوئیں۔

ایک اور روایت کے مطابق جناب شہربانو ایران سے مدینہ میں امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت کے ظاہری دور میں تشریف لائیں اور امام حسین علیہ السلام کی زوجیت سے مشرف ہوئیں۔ آپ کے بطن سے امام زین العابدین علیہ السلام متولد ہوئے۔

کچھ مؤرخین کی روایات ہیں کہ جناب شہربانو مدینہ میں بوقت ولادت امام زین العابدین علیہ السلام رحلت کر گئیں۔ اگر یہ روایت درست ہے تو پھر مدینہ میں جنت البقیع یا اس کے آس پاس یا اطراف مدینہ میں جناب شہربانو کا مدفن ہونا چاہئے جس کا ذکر کبھی بھی سننے میں نہیں آیا۔

دیگر روایات شاہد ہیں کہ آپ کربلا میں موجود تھیں۔ شہادت جناب علی اکبر کے وقت جناب شہربانو کا موجود ہونا' طبری' ابن آشوب وغیرہ سے ثابت ہے۔ پھر روایت ہے کہ قتل امام عالی مقام کے بعد شوہر نامدار کے حکم پر جناب شہربانو ذوالجناح کی پشت پر سوار ہو کر کوہ رے میں پہنچ کر غائب ہو گئیں۔ مسجد مقام غیبت بی بی شہربانو' تہران سے سات آٹھ کلومیٹر دور ہے۔ روایت ہے کہ پہاڑی پر پہنچ کر آپ نے دعا کی کہ زمین شق ہو

جائے اور میں زمین دوز ہو جاؤں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ غائب ہو گئیں۔ لیکن چادر کا کچھ حصہ باہر رہ گیا جس سے شناخت ہوئی۔ یادگار کے طور پر ایک مسجد اور روضہ اقدس موجود ہے۔

شاہ عبدالعظیم الحسنی

یہاں ہمارا پروگرام بی بی شہربانو کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے علاوہ ایک مجلس برپا کرنا بھی تھا' لیکن قافلے میں چند ناگزیر وجوہات کی وجہ سے بہت تاخیر ہو گئی۔ ابھی ایک اہم زیارت باقی تھی۔ پھر تہران شہر میں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد 5.20 پر مشہد ایکسپریس سے مشہد کے لئے بھی روانہ ہونا تھا چنانچہ یہاں کا پروگرام مختصر کیا اور تہران کے قدیم قبرستان میں واقع بزرگ امام زادہ شاہ عبدالعظیم الحسنی کے روضہ پر پہنچے۔ ان کے دائیں بائیں دو امام زادے حضرت طاہر بن امام زین العابدین اور حضرت حمزہ بن امام موسیٰ کاظم بھی ابدی نیند سو رہے ہیں۔

شاہ عبدالعظیم کے مرتبہ و منزلت کے بارے میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا قول ہے کہ زیارت عبدالعظیم' مثل زیارت حضرت امام حسینؑ ہے۔ ایران میں زیارت شاہ عبدالعظیم کا اہتمام باقاعدگی سے کیا جاتا ہے۔ پورا قبرستان اب شاہ عبدالعظیم کے مقبرے کا فرش بن چکا ہے۔ مقبرے کے اندر بھی قبور موجود ہیں۔ ہر طرف قبریں اور نام لکھے ہیں۔ نام نہ لکھے جاتے تو اچھا تھا' قبروں کے نمبر لگا کر دیواروں پر نام لکھے جاسکتے تھے۔ زائرین بے حرمتی سے بچ جاتے۔

یہاں مزید تعمیری کام جاری ہے۔ منصوبے سے لگتا ہے کہ آنے والے دنوں میں تہران شہر کی یہ واحد زیارت گاہ ہو گی۔ یہاں زائرین کا ہجوم بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک فرلانگ سے زیادہ لمبا ایک نہایت ہی خوبصورت بازار بنا دیا گیا ہے۔ پرانے مکانات اور دکانیں گرائی جا رہی ہیں۔ اب چاروں طرف عظیم الشان بازاروں سے گزر کر زائرین زیارت کے لئے یہاں پہنچا کریں گے۔ شاہ عبدالعظیم بہت پڑھے لکھے اور عالم فاضل مرد دانشمند

تھے۔ آپ کا "حوزہ" میوزیم یہاں موجود ہے۔ اس میوزیم میں بے شمار قلمی نسخے اور نادر کتابیں موجود ہیں۔ ہم جس وقت وہاں پہنچے یہ بند ہو چکا تھا۔ کوئی ذمہ دار اہلکار بھی موجود نہ تھا کہ اسے درخواست کر کے کھلوا لیتے۔ قم میں بھی ایک قدیم "حوزہ" معصومہ قم کے روضہ کے قریب واقع ہے۔ مولانا ابوالحسن نقوی سے ملاقات میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہاں ایسا کوئی میوزیم نہیں ہے جبکہ ہمارے قافلے کی ایک بی بی مصر تھیں کہ میوزیم موجود ہے۔ اتفاق دیکھئے کہ اس کا بھی تب پتہ چلا جب ہمارے روانہ ہونے میں چند گھنٹے باقی تھے۔ وقت بھی ایسا تھا کہ میوزیم بند ہی ملتا' زندگی نے وفا کی اور دوبارہ سعادت زیارات حاصل ہوئی تو ان دونوں "حوزوں" کو ضرور دیکھیں گے۔ سنا ہے قم کے میوزیم میں پرانے علم اور دیگر قیمتی نوادرات موجود ہیں۔

تہران ریلوے اسٹیشن

حضرت شاہ عبدالعظیم الحسنی اور حضرت طاہر بن امام زین العابدینؑ اور حضرت حمزہ بن امام موسیٰ الکاظمؑ کے روضوں پر دو دو رکعت نماز پڑھی اور باہر آ گئے۔ ایک ریسٹورنٹ سے دوپہر کا کھانا کھایا۔ 1200 تومان میں کیمرے کی فلم (فیوجی کلر) خریدی اور کاروان کی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ ہمارا قافلہ شہر کے بیچوں بیچ گھومتا ہوا تہران ریلوے اسٹیشن جا پہنچا۔ راہ آہن کا ٹرمینل ایک خوبصورت' صاف ستھرا' منظم ریلوے اسٹیشن ہے۔ شاید پاکستان میں اس کی کوئی مثال نہ ہو۔ یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ ٹیلی فون بوتھ موجود تھے۔ لوکل کال مفت اور بیرون ملک کے لئے کارڈ سسٹم ہے۔ ہمارے پاس کارڈ نہیں تھے۔ مجبوراً فیصلہ کیا کہ مشہد سے لاہور فون کریں گے۔ ٹرمینل سے پلیٹ فارم پر صرف وہ شخص جا سکتا ہے جس کے پاس ٹکٹ ہو۔ دوسرے تمام لوگ ٹرمینل سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کی طرح پلیٹ فارم ٹکٹ لے کر ہر کوئی دندناتا ہوا اندر نہیں جا سکتا۔ اس طرح پلیٹ فارم پر خوامخواہ کا ہجوم بھی نہیں بنتا۔

مشہد ایکسپریس

تہران ریلوے اسٹیشن سے صبح سات بجے سے لے کر رات سات بج کر 20 منٹ تک ہر گھنٹہ کے بعد ٹرین روانہ ہوتی ہے۔ یہ نان سٹاپ ٹرینیں 15/14 گھنٹے میں مشہد پہنچا دیتی ہیں۔ ہماری ٹرین 5 بج کر 20 منٹ پر روانہ ہوئی۔ یہ ایک ایکسپریس ٹرین ہے۔ بوگیاں ایئر کنڈیشنڈ ہیں۔ چار چار مسافروں کے لئے ایک کوپے ہے۔ نہایت صاف ستھرا اور آرام دہ کوپے ہوتا ہے جس میں دو بیڈ اوپر اور دو نیچے ہیں۔ تکئے اور کمبل بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔ ہر بوگی میں ایک سرونٹ ہے جو مسافروں کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ گاڑی سبک رفتار اور ٹریک (راہ آہن) جھٹکوں سے بے نیاز ہے۔ ہماری پاکستان ریلوے کی نائٹ کوچ' کراچی ایکسپریس اس کے مقابلے میں عوامی ایکسپریس کے برے حالوں والی ٹرین لگتی ہے۔ پاکستان ریلوے تو عوامی خدمات کی بہترین روایات قائم کرنے سے پہلے ہی نڈھال ہو چکی ہے۔

ہماری ٹرین مشہد سے چل کر لمھان ریلوے اسٹیشن پر مغربین کے لئے رکی۔ ٹرین کے تمام مسافروں نے یہاں نماز ادا کی۔ یہاں پاسداران کے دو نوجوانوں سے گپ شپ ہوئی۔ ایک تصویر بنائی۔ گاڑی ایک دفعہ پھر سوئے منزل رواں ہو چکی تھی۔ ہم لوگ آرام دہ سفر سے واقعتاً لطف اندوز ہوئے۔ فجر کی نماز کے لئے صبح ساڑھے چار بجے سبزوار اسٹیشن پر رکی مغربین کی طرح صلوٰۃ کا اعلان کیا گیا۔ نماز سے فارغ ہوئے۔ پندرہ منٹ کے توقف کے بعد ٹرین پھر سے محو خرام تھی۔

تہران سے مشہد تک کا سفر 950 کلومیٹر طویل ہے۔ ہم وسیع و عریض وادی سے گزر رہے تھے۔ دور نزدیک پہاڑی سلسلے بھی نظر آئے لیکن بیشتر علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔ نہریں اور نالے اس بات کی علامت تھے کہ پانی کی فراوانی ہے اور زراعت کے لئے یہی بنیادی شرط ہے۔ دور افتادہ دو چار گھروں پر مشتمل بستیوں میں بھی بجلی کی فراہمی نظر آئی۔ ہمارے دیہات کی طرح وادی میں کچے مکان اچھے لگے۔ مویشی کثرت سے ہیں۔ گائے یہاں پستہ قد ہوتی ہے۔ بھیڑ بکریاں وافر دکھائی دیں۔ کھیتوں میں لہلہاتی ہوئی سرسوں اور

وھاں بھی نظر آئی۔ آج کل یہاں گرمی کا موسم تصور کیا جاتا ہے حالانکہ ہمارے لحاظ سے کوئی خاص گرمی نہ تھی۔ دراصل یہ برفانی علاقہ ہے۔ یہاں سخت سردی پڑتی ہے۔ دیہاتی علاقوں کے کچے مکانات خاصے بوسیدہ ہیں۔ کہیں کہیں کسی بستی میں کوئی دو منزلہ مکان بھی نظر آجاتا ہے۔ علاقے میں پل اور سڑکیں بنانے کے لئے بھاری مشینری زیر استعمال دکھائی دی۔ مجموعی طور پر 950 کلومیٹر طویل علاقے میں آبادی برائے نام ہی ہے۔ ایک دو بڑے بڑے مقامات پر بھی آبادی ہزاروں ہی میں ہوگی۔ شاید ہم پنجاب کے گنجان آباد علاقے کے رہنے والوں کے لئے دور دراز آبادیاں حیرت انگیز بات ہے۔

مشہد مقدس میں

21 اپریل 1998ء، ٹھیک ساڑھے سات بجے ہماری ٹرین مشہد مقدس کے گرد نیم دائرے میں گھومتی ہوئی اور روضہ امام علی رضا علیہ السلام کو اپنا اور اپنے مسافروں کا سلام پیش کرتی ہوئی مشہد مقدس کے اسٹیشن پر رکی۔ سامان اتارا، فوراً دستی ٹرالیاں آگئیں۔ اسٹیشن کے باہر کا منظر بھی انتہائی خوشگوار تھا۔ ٹیکسیوں کے ذریعے ہوٹل رضوان پہنچے۔

ہوٹل پہنچ کر تھکن دور کرنے اور حرم جانے کے لئے غسل وغیرہ میں ایک بج گیا۔ کھانا کھایا اور پھر دو بجے حرم کے لئے روانہ ہوئے۔ ظہرین ادا کیں، نوافل پڑھے۔ زیارت امام علی رضا علیہ السلام سے مشرف ہوئے۔ ضریح پر بے پناہ رش تھا حالانکہ ہم ایسے وقت میں یہاں پہنچے تھے کہ نماز ختم ہو چکی تھی اور رش میں کمی آچکی تھی لیکن پھر بھی بہت ہجوم تھا۔ بڑی مشکل سے ضریح تک پہنچنے کا موقعہ ملا۔ امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں اپنا، اپنے عزیزو اقربا، دوستوں اور ان احباب کا سلام عرض کیا جنہوں نے کہہ رکھا تھا، ان کے لئے دعائیں مانگیں۔ تھوڑی دیر قیام کیا۔ عین اس مقام پر بیٹھے تھے جہاں چند سال پہلے بم بلاسٹ ہوا تھا۔ اس دھماکہ میں دس بے گناہ افراد شہید اور بے شمار زخمی ہوئے تھے۔ تب سے حرم میں سیکورٹی کے انتظامات بہت سخت کر دیئے گئے ہیں۔ کیمرہ تک حرم میں لانے کی اجازت نہیں۔ حرم میں توسیع و تزئین کا کام جاری ہے۔ امام

رضا علیہ السلام کا روضہ پہلے ہی کافی وسیع و عریض ہے اور اب مزید توسیع کے بعد ایک عظیم الشان روضہ بن جائے گا۔ پرانے بازار اور مکانات گرائے جا رہے ہیں۔ نئے بازار بن رہے ہیں جو زائرین کی تمام ضروریات پوری کریں گے۔

شام کو حرم سے باہر نکلے' چشمہ طلائی سے پانی پیا۔ ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پھوار' موسلا دھار بارش میں تبدیل ہو گئی۔ بارش تھمی تو قافلہ سالار ہمیں لے کر قرب و جوار دکھانے کے لئے نکلے۔ مختلف بازاروں' پرانے مسافر خانوں اور دیگر عمارات کا تعارف کراتے ہوئے ہمیں بازار رضا میں لے آئے۔ یہ ایک طویل اور جدید بازار ہے۔ یہاں دوسری منزل پر نگینوں کی مارکیٹ ہے۔ ہم نے بھی چند نگینے خریدے۔ اب ٹیکسی لی اور واپس ہوٹل رضوان پہنچے۔

اب میری حالت کافی خراب تھی۔ تھکن کے ساتھ ساتھ گلا بھی جکڑا ہوا تھا۔ بخار کی سی کیفیت تھی۔ میں بستر پر جا گرا۔ پھر اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مغربین بھی کمرے میں ادا کیں۔ ایک دو گولیاں جو دستیاب تھیں' کھائیں اور سو گیا۔ طبیعت رات دس بجے کے بعد سنبھل گئی۔ کچھ مطالعہ کیا اور پھر سو گیا۔ آج جب پیسوں کا حساب کیا تو پتہ چلا کہ عراق سرحد پر جب سامان چیک ہو رہا تھا اور کرنسی کا جھگڑا بن گیا تھا تو مختلف ہاتھوں سے ہوتے ہوئے واپس ملنے والے نوٹوں میں سے پاکستانی 35 سو روپے پار کر لئے گئے تھے۔ انا للہ!

قافلہ سالار نے آج میٹنگ بلائی تھی تاکہ کل یعنی 22/4 کو نیشاپور اور مقامی زیارات کی تفصیلات طے ہو جائیں۔ کل انشاء اللہ دس بجے نیشاپور جائیں گے۔

نیشاپور

22 اپریل 1998ء' نماز فجر' حرم میں ادا کی۔ ہجوم کل کی طرح بے پناہ تھا۔ واپس ہوٹل آئے' ناشتہ کیا۔ 10 بجے ایک منی بس میں نیشاپور کے لئے روانہ ہوئے۔ مشہد سے نیشاپور 125 کلومیٹر دور ہے۔ نیشاپور سے 15 کلومیٹر پہلے قدم شریف اور چشمہ ہے۔ انتہائی پر سکون وادی میں خشک پہاڑ کے دامن میں یہ وسیع و عریض جگہ قدم شریف کہلاتی

ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضا علیہ السلام جب یہاں تشریف لائے اور وضو کے لئے پانی طلب کیا تو مقامی لوگوں نے کہا کہ پانی یہاں کہاں ملے گا۔ آپ بزرگ و برتر ہیں اس خشک پہاڑ سے پانی وادی میں منگوایئے چنانچہ آپ نے اس پہاڑ کو حکم دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پانی آپ کے قدموں کے نیچے سے ابل پڑا۔ آپ کے پیروں کے نشانات پتھر پر نقش ہو گئے۔ یہ پتھر حکومت نے ایک حجرہ بنوا کر دیوار میں نصب کر دیا ہے۔ روزانہ ہزاروں لوگ اس زیارت کے لئے یہاں آتے ہیں جس وقت ہم پہنچے اور چشمہ کا پانی پی رہے تھے' وہاں تہران کے بچوں کا ایک گروپ آگیا۔ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں ان بچوں نے ہم سے گپ شپ کی۔ ایران میں اب انگریزی سیکھنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ اسکولوں میں تو باقاعدہ اس کی تعلیم دی جارہی ہے۔ قم میں بھی انگریزی سیکھنے کا خصوصی اہتمام نظر آیا تھا۔ کچھ کاریگر چشمہ پر کام کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی ہم سے انگریزی میں بات کرنے کی کوشش کی۔ چشمہ پر ایک کمرہ بنا کر اسے تالہ لگا دیا گیا ہے۔ پانی کے نکاس اور سپلائی کے لئے پائپ لائن استعمال کی جارہی ہے۔ یہ بستی اس چشمہ کا پانی ہی استعمال کرتی ہے۔ پانی وافر ہے اور ہر وقت جاری رہتا ہے اس لئے ایک پختہ نالہ بنا کر اسے پوری بستی کے لئے سپلائی لائن بنا دیا گیا ہے۔ اضافی پانی کھیتی باڑی کے لئے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ یہاں تھوڑا وقت گزار کر ہم لوگ امام زادہ ابراہیم بن امام موسیٰؑ اور امام زادہ سید محمد محروق بن زید بن زین العابدین کے مقبروں پر پہنچے۔

یہ دونوں امام زادے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ امام زادہ محمد کو 200 ہجری میں عہد مامون رشید عباسی میں اس کے گماشتوں نے شہید کر دیا۔ ظلم یہیں ختم نہ ہوا بلکہ ظالموں نے آپ کے جسد مبارک کو بھی نذر آتش کر دیا۔ اسی وجہ سے آپ کو محمد محروق کہتے ہیں۔ محروق عربی زبان میں جلائے جانے والے کو کہتے ہیں۔ ان دونوں امام زادوں کے روضے نیشاپور کے باہر ایک خوبصورت باغ میں واقع ہیں۔ ہم لوگوں نے یہاں نماز پڑھی۔ زیارت کی اور باہر نکل کر کھانا کھایا۔ پکنک کا سماں بن چکا تھا۔ ایک خوبصورت باغیچہ' جس میں انواع و اقسام کے پھول کھلے ہیں۔ گھنے اور

قد آور دونوں طرح کے درخت ہیں۔ فرحت بخش ہوا چل رہی ہے۔ سکولوں کے بچے روشوں میں کھیلتے پھر رہے ہیں۔

مقبرہ عمر خیام

باغیچہ کے آخر میں عمر خیام کا مقبرہ ہے۔ مقبرہ کا ڈیزائن فنکارانہ اپج کا خوبصورت مظہر ہے۔ قبر پر فاتحہ پڑھی' خیام اکیڈمی دیکھی۔ ایک کاؤنٹر سے خیام کی تصویر اور رباعیات خیام کی تین کتابیں پانچ ہزار تومان میں خریدیں۔ میرے کیمرے میں اب ایک ہی تصویر کی گنجائش تھی۔ سو وہ عمر خیام کے مقبرہ کی بنائی۔ جب ہم مین روڈ سے ادھر داخل ہو رہے تھے' وہاں تین قدیم مینار نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضا علیہ السلام نے یہاں اپنا حجاب اتارا تھا اور لوگوں سے کھلے بندوں ملنا شروع کر دیا تھا۔ ان میناروں سے پہلے چوک میں عمر خیام کا مجسمہ نصب ہے۔ اس کمپلیکس پر حکومت کی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ ہمیں تلاش کے باوجود شیخ فرید الدین نیشاپوری کی قبر نہ مل سکی' وقت بہت ہو چکا تھا۔ بصد مشکل ساڑھے تین بجے وہاں سے نکلے اور شام چھ بجے واپس رضوان ہوٹل پہنچے۔ شام کو حرم میں حاضری دی' بازار کا چکر لگایا۔ بازار میں شیخ جعفر علی فیاض انچارج دفتر زائرین خارجی سے تعارف ہوا۔ انہوں نے کل دفتر میں تفصیلی ملاقات کے لئے دعوت دی۔

شیخ جعفر علی فیاض سے ملاقات

23 اپریل 1998ء' ناشتہ سے فارغ ہو کر صحن انقلاب میں شیخ جعفر علی فیاض سے ملاقات کے لئے پہنچا۔ ان سے پہلے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ کل رات انہوں نے خود ہی بازار میں روک کر اپنا تعارف کرایا تھا۔ آج کل حرم میں تعمیراتی کام ہو رہا ہے۔ تمام دروازوں پر زائرین کی سخت چیکنگ ہو رہی ہے۔ کیمرہ وغیرہ لے جانے کی بالکل اجازت نہیں۔ میری کوشش تھی کہ اندر جا کر چند تصاویر بناؤں۔ گیٹ کے نگران نے روکا تو شیخ جعفر علی فیاض کا حوالہ دیا۔ اس نے فون پر بات کی تب ہمیں کیمرہ لے جانے کی اجازت ملی۔ نگران کا

مشورہ تھا کہ خواتین اپنے لبادے میں کیمرہ چھپا کر لے جائیں۔ خواتین کی
تلاش ہوتی ہے۔ خواتین اور مردوں کی الگ الگ تلاش ہوتی ہے۔ اگر حق کے تقدس نے
بھی کام دکھایا۔ تھوڑی دیر بعد میں بیگم کے ہمراہ شیخ صاحب کے دفتر میں تھا۔ بڑے
اطمینان سے گفتگو ہوئی۔ رابطہ مستحکم ہوا۔ چند تحائف پیش کئے۔ چائے پی پھر انہوں نے
صحن جمہوری' روابط بین الملل کے آقائے دھقان زادہ اور آقائے عبداللہ جوہری سے
متعارف کرایا۔ شیخ صاحب کے ساتھ تصویر ہوائی۔ دھقان زادہ فارسی اور انگریزی جبکہ
آقائے جوہری اردو کے ماہر تھے۔ ان سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے اپنا تازہ لکھا ہوا ایک
مضمون آگے رکھ دیا۔ اس میں حرم مطہر کا مختلف حوالوں سے تعارف موجود تھا۔ مضمون
دیکھا' چند ایک معمولی غلطیاں تھیں انہیں نشان زد کیا اور مضمون واپس دے دیا۔

ہمیں اردو' انگریزی اور فارسی میں کچھ پمفلٹ اور تصاویر دی گئیں۔ دھقان زادہ
اور جوہری صاحب کے ساتھ ایک تصویر ہوائی۔ آقائے جوہری ہمارے ساتھ "قران
حوزہ" گئے اور وہاں کے انچارج سے تعارف کرایا۔ تعاون کی درخواست کی لیکن یہ خالص
ایرانی النسل ثابت ہوئے۔ میوزیم میں تصویر کشی کی ممانعت ہے' کی رٹ لگائے رکھی۔
بہت سمجھایا دلیلیں دیں کہ بھائی دنیا کے کسی میوزیم میں تصویر کھینچنے کی پابندی نہیں۔
تصویر اتارنے سے کوئی بے حرمتی نہیں ہوتی لیکن وہ زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد کے
مصداق ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اس حوزہ میں خط کوفی' خط نسخ' خط نستعلیق اور دیگر رسم
الخط کے نادر قلمی نسخے (کلام پاک) موجود ہیں۔ حضرت علیؑ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تین
نسخے بھی یہاں موجود ہیں۔ حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ رکھا ہے۔
حضرت علیؑ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کلام پاک خط کوفی میں اور ہرن کی کھال پر تحریر ہیں۔
مختلف بادشاہوں اور نامعلوم لوگوں کے قلمی نسخے بھی اس میوزیم کا اثاثہ ہیں۔ کلام پاک کا
ایک بہت ہی خوبصورت نسخہ یہاں موجود ہے جو محترمہ بے نظیر بھٹو نے بحیثیت وزیراعظم
دورۂ ایران کے موقعہ پر پیش کیا تھا۔

مشہد میوزیم

کلام پاک کے نادر و نایاب نسخوں کو دیکھنے کے بعد ہم "میوزیم" پہنچے۔ یہاں داخلہ کا ٹکٹ 2 ہزار ریال ہے یعنی 200 تومان۔ ٹکٹ لیا' فوراً ہی فارسی اور انگریزی بولنے والا ایک گائیڈ آگیا۔ یہاں آکر سمجھ میں آیا کہ وہ تصویریں اتارنے سے کیوں منع کرتے ہیں۔ میوزیم میں واقع کربلا کے حوالے سے ایران کے ایک قدیم و عظیم مصور کی بنائی ہوئی پینٹنگز موجود ہیں۔ مختلف مناظر دکھائے گئے ہیں۔ مثلاً ایک منظر میں بعد از قتل حسین علیہ السلام ذوالجناح کی خیمہ گاہ حسینی میں آمد دکھائی گئی ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ واقعہ کربلا کی تصاویر پینٹ کی جانا چاہئیں یا نہیں۔ مذکورہ تصاویر فن مصوری کا شاہکار ہیں۔ اسی میوزیم میں کچھ اماموں کے خط' بادشاہوں کی زرہ بکتر' ٹوپی (خود) خنجر اور تلواریں بھی رکھی ہیں۔ چند تلواروں پر اللہ کا کلام سونے کے پانی کے ساتھ تحریر ہے۔ یہاں حرم کے قدیم دروازے بھی موجود ہیں۔ چین سے آئے ہوئے قدیم تحائف بھی نوادرات میں شامل ہیں۔ چینی ظروف اور ان پر روایتی چینی مصوری دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ میوزیم میں ہمیں ایک بج گیا۔ ہم نکلا ہی چاہتے تھے کہ نظر زیر زمین ایک راستے پر پڑی۔ یقیناً یہ بھی میوزیم کا ہی حصہ ہوگا۔ ابھی ہم اس کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ گائیڈ سمجھ گیا۔ اس نے کہا کہ آپ اسے ضرور دیکھیں چنانچہ ہم سیڑھیاں اتر کر نیچے چلے گئے۔ نیچے ایک بڑا سٹرانگ روم نظر آیا۔ وہاں موجود شخص نے ہمیں دوسرے حصہ میں جانے کے لئے رہنمائی کی۔ یہاں خوبصورت شوکیس لگے ہوئے تھے۔ ان میں ایران قدیم کے ٹکٹ' کرنسی نوٹ' سکے اور دیگر نوادرات سلیقے سے سجائے گئے تھے۔ محمود غزنوی کے دور کے سکے بھی یہاں موجود تھے۔ بعض نوادرات تو بہت ہی قدیم ہیں۔ میوزیم بند ہونے کا وقت ہو چکا تھا چنانچہ باہر آگئے۔

مسجد گوہر شاد

یہاں سے ہم صحن مسجد گوہر شاد پہنچے یہ مسجد ایران کی مشہور ترین مساجد میں سے

ایک ہے۔ حرم مطہر امام رضا علیہ السلام سے متصل ہے۔ اس کی تعمیر 821 ہجری میں شاہرخ مرزا کی زوجہ گوہر شاد خاتون کے حکم سے مشہور معمار استاد قوام الدین شیرازی نے کی۔ ایک صحن' چار عالیشان ایوان اور نماز کے لئے سات ہال ہیں۔ ایوان مقصورہ کے دو جانب خوبصورت اور دیدہ زیب مینار واقع ہیں۔ میناروں کے کتبوں پر کندہ قرآنی آیات کی نقش نگاری اور گل کاری' خراسانی فن قدیم کا خوبصورت نمونہ ہے۔ ایوان مقصورہ میں امام زمانہ علیہ السلام کا ایک منبر مبارک بھی رکھا ہے۔ یہ منبر 1243 ہجری میں اخروٹ کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ اس منبر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی کیل یا لوہا استعمال نہیں کیا گیا۔ مسجد میں عوام الناس کے لئے ایک لائبریری بھی موجود ہے۔ کتب خانہ گوہر شاد کی دیکھ بھال سازمان اوقاف کے سپرد ہے۔ شام کو بازار گیا۔ لاہور فون کیا' بچوں کی خیریت دریافت کی۔ ایک ٹیکسی والے سے اگلے روز بقایا زیارات کا طے کیا اور حرم میں چلا گیا۔ حرم حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بارے میں احباب سے گفتگو ہوئی۔ کچھ لٹریچر حاصل کیا تاکہ سفرنامہ میں شامل کر کے اپنے قارئین کو بھی اپنے ساتھ معلومات کا حصہ دار بناؤں۔

حضرت امام رضاؑ

حضرت امام رضاؑ کی زیارت کے بارے میں جناب رسالت مآبؐ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عنقریب میرے جسم کا ایک ٹکڑا زمین خراسان میں دفن ہو گا۔ اس کی زیارت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل کرے گا۔ اس پر آتش جہنم حرام فرمائے گا۔ حضرت امام علی النقیؑ سے منقول ہے کہ جس کو کوئی حاجت خدا سے درپیش ہو وہ میرے جد بزرگوار حضرت امام رضا کی زیارت کو جائے۔ باغسل ہو اور دو رکعت نماز پڑھے اور قنوت میں اپنی حاجت بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا مگر دعا قطع رحم وغیرہ کے لئے نہ ہو۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے علمی کمالات' معجزات اور دیگر مذاہب کے عالموں

سے مناظرے لاتعداد ہیں اور مختلف کتابوں میں درج ہیں لیکن آپ سے منسوب "امام ضامن" زیادہ مشہور و معروف ہے۔ برصغیر میں بھی سفر اور مہم پر جانے سے پہلے بازو پر امام ضامن باندھا جاتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ--- جب عباسی خلیفہ ہارون الرشید 193 ہجری میں اہل بیت کے محبان اور امام زادوں پر ظلم و ستم کا عظیم طومار لے کر انتقال کر گیا تو اس کی مملکت دونوں بیٹوں امین الرشید اور مامون الرشید میں وجہ تنازعہ بن گئی۔ دونوں بھائیوں نے حکومت پر قبضہ کے لئے ایک دوسرے پر فوج کشی کی۔ مامون کمزور تھا' گھبرا گیا۔ پریشان کن صورت حال میں اس نے آل محمدؐ کا سہارا لیا۔ اس نے منت مانی کہ اگر وہ امین پر غالب آگیا تو حکومت اس کے حقداروں یعنی آل محمدؐ کے حوالے کر دے گا۔ اللہ تعالٰی نے اسے فتح نصیب کی۔ وہ اپنے بھائی امین کو قتل کر کے حکومت پر قابض ہو گیا۔ اپنی منت کے مطابق نذر پورا کرنے کے لئے اور وقت کے سیاسی حالات کے مطابق مامون الرشید نے جبریہ امام علی رضا علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ یکم رمضان 201 ہجری بروز پنج شنبہ جلسہ ولی عہدی منعقد ہوا۔ امام علی رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کا اعلان کر کے مامون نے سب سے [illegible] پنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا۔ اس نے امام علیہ السلام کی بیعت کی۔ پھر اور لوگ بیعت سے مشرف ہوئے۔ سونے چاندی کے سکے سر مبارک پر نچھاور کئے گئے۔ جمعہ کے خطبہ میں حضرت امام رضاؑ کا اسم گرامی داخل کیا گیا۔ مامون نے حکم دیا کہ حضرت کے نام کا سکہ تیار کیا جائے چنانچہ درہم و دینار پر آپ کا نام نقش ہوا۔ تمام قلمرو میں وہ سکہ چلایا گیا۔ حضرت کے نام کا سکہ عقیدت مندوں کے لئے تبرک اور ضمانت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس سکہ کو سفر و حضر میں حفاظت جاں کے لئے ساتھ رکھنا یقینی امر تھا۔ اسی کی یادگار میں بطور ضمانت بعقیدہ تحفظ آج بھی سفر پر جانے سے پہلے بازو پر امام ضامن کا سکہ (روپیہ وغیرہ) باندھتے ہیں۔ یوں سفر میں ہمارا مسافر حضرت امام رضا علیہ السلام کی ضمانت میں [illegible] ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت 203 ہجری میں ہوئی۔ آپ کو مشہد میں دفن کیا گیا۔ آپ کی تدفین سے پہلے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ آپ کے دفن کے بعد آبادی

آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ اس شہر کا نام مشہد الرضا علیہ السلام رکھا گیا۔ پہلے اس کا نام سناآباد تھا۔ صوبہ خراسان میں بنی عباس کے گورنر حمید بن قحطبہ نے نوغان اور سناباد کے درمیان ایک خوبصورت باغ اور محل تیار کرایا۔ یہ محل چوتھی صدی ہجری کے ابتدائی برسوں تک قائم رہا۔ ہارون الرشید خود خراسان کی شورش دبانے کے لئے آیا لیکن وہ یہاں پہنچ کر بیمار ہو گیا۔ آرام کی خاطر وہ اسی باغ میں رہا۔ یہیں موت نے اسے آن لیا۔ ہارون کو اسی محل میں دفن کیا گیا اور اس کی قبر پر ایک گنبد بنا دیا گیا۔ 203 ہجری میں بغداد کے سیاسی حالات بہت بحرانی تھے۔ مامون الرشید نے حضرت امام رضاؑ کو زہر دے کر شہید کرا دیا۔ اسی مامون الرشید کے حکم پر امام محترم اس کے باپ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔ اس کے بعد سے آج تک مرقد مطہر حضرت امام رضا علیہ السلام عاشقان آل محمد و عالم تشیع کے لئے زیارت گاہ ہے۔ تدفین کے بعد اس کے اطراف و اکناف میں بتدریج اضافہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ نوغان اور سناباد بھی اس میں ضم ہو گئے۔ یہ علاقہ ایک شہر کی صورت اختیار کر گیا۔

حرم مطہر، حضرت امام رضاؑ سنہرے گنبد کے نیچے واقع ہے۔ قبر مطہر خوبصورت ضریح کے اندر ہے۔ حرم مطہر اور اس کے اطراف کی عمارتیں ماہرین فن تعمیر کی مہارت اور عقیدت کا شاندار مظہر ہیں۔ حرم کی دیواریں سنگ مرمر اور کاشی کاری کی اینٹوں سے مزین ہیں۔ ان حسین اور قیمتی اینٹوں پر آیات قرآنی اور احادیث معصومین علیہم السلام کندہ ہیں۔ دیواروں پر صفوی دور کے مشہور خطاط علی رضا عباسی نے سورہ جمعہ کی آیات مبارکہ تقریباً اسی سینٹی میٹر قطر میں خط ثلث جلیل میں تحریر کی ہیں۔ یہ خطاطی دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ سنہرا گنبد یا گنبد طلائی بہت عالی شان ہے۔ شہر کے دور دراز مقامات سے بھی نظر آتا ہے۔ خوشنما اور ضوفشاں ہے۔ دن میں دھوپ کی وجہ سے چمکتا ہے جبکہ رات کو بھی دور سے جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ حرم مطہر کے دونوں جانب سنہرے مینار ہیں۔ ایک مینار گنبد سے ملحقہ ایوان نادری پر بنا ہوا ہے۔ یہ صحن انقلاب کے جنوب میں واقع ہے۔ دوسرا صحن انقلاب کے شمالی حصے میں ایوان عباسی کے اوپر بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد سے کافی

فاصلہ پر ہے۔ گنبد سے نزدیک مینار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شاہ طہماسپ اول صفوی نے تعمیر کروایا تھا جبکہ دوسرا مینار نادر شاہ افشار کے حکم پر تعمیر کیا گیا۔

صحن انقلاب

شیخ جعفر علی فیاض صاحب کے حوالہ سے صحن انقلاب کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کی تفصیل بھی دلچسپ اور لائق تحریر ہے۔ یہ ایک خوبصورت عمارت ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر چار بالکونیاں یا ایوان واقع ہیں۔ ان کے نام ایوان عباسی (شمال)، ایوان طلائی (جنوب)، ایوان نقارہ خانہ (مشرق) اور ایوان ساعت (مغرب) ہیں۔ ایوان نقارہ خانہ کے اوپر نقارہ خانہ جبکہ ایوان ساعت کے اوپر ایک بہت بڑی گھڑی ہے۔ یہ ایک خوشنما ایوان ہے۔ اسے تعمیر ہوئے تین سو سال گزر چکے ہیں لیکن اس کی آب و تاب قائم و دائم ہے۔ صحن میں ایک گرل ہے جو سٹیل اور برونز (کانسی) کی بنی ہوئی ہے۔

صحن انقلاب کے وسط میں سقہ خانہ واقع ہے۔ ہم لوگ اسے سبیل کہتے ہیں۔ یہ سقہ خانہ نادر شاہ افشار کے حکم پر ہرات اور قلات کے سنگ مرمر سے بنایا گیا اس کو سقہ خانہ نادری بھی کہتے ہیں۔ اس کو حوض اسماعیل بھی کہا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں اہم موقعوں پر اور بادشاہ کے دربار میں عوام کو جمع کرنے اور اعلان کرنے کے لئے نقارے بجائے جاتے تھے۔ مشہد مقدس میں اس کا آغاز 860 ہجری میں ہوا۔ شاہرخ کا پوتا ہرات سے یہاں زیارت کے لئے آیا اور بیماری سے شفا کی غرض سے امام کے روضہ پر اعتکاف میں بیٹھا تو پہلی بار نقارہ بجایا گیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ سوائے ایام عزاء، طلوع و غروب آفتاب سے قبل نقارہ بجایا جاتا ہے۔

حرم مطہر کے جنوب کی جانب صحن امام خمینی ہے۔ کفش داری نمبر 9 اسی میں ہے۔ صحن جمہوری اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے شمال اور جنوب میں دو عالی شان اور خوبصورت مینار ایستادہ ہیں۔ صحن میں ایک خوبصورت و خوشنما سبیل ہے جس کے قریب جانے سے پانی خودبخود نل میں سے بہنے لگتا ہے۔ اسی صحن کے

درمیان میں ایک آفتابی گھڑی ہے جس سے وقت ظہر اور قبلہ معلوم ہو جاتا ہے۔ ان تمام صحنوں کے نیچے قبرستان بنے ہوئے ہیں۔ ان قبرستانوں کا نام بہشت ثامن الائمہ ہے۔

جناب دہقان زادہ سے ملاقات کا ذکر کر چکا ہوں۔ ان کے زیر انتظام دفتر' زائرین اور سیاحوں کی رہنمائی کے لئے ہے۔ ان کے پاس مختلف زبانوں کے مترجم موجود ہیں۔ اس دفتر سے زائرین کو مختلف زبانوں میں ترجمہ شدہ گائیڈ اور امام رضا علیہ السلام کے روضہ مبارک کی تصاویر بطور ہدیہ دی جاتی ہیں۔

(آج روضہ مطہر کی زیارت تقریباً مکمل ہو گئی ہے اور مضافات کی زیارات کے لئے ٹیکسی والے سے کل کا پروگرام طے ہو گیا ہے۔ مزید اطمینان کی کیفیت لاہور فون پر بات ہونے سے ہوئی ہے کہ بچے بخیرو عافیت ہیں۔)

مقبرہ فردوسی

24 اپریل 1998ء' صبح سات بجے ہوٹل سے نکلے تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ یخ بستہ ہواؤں نے موسم کی شدت کا احساس دلایا۔ میں نے مفلر سے سر اور کان ڈھانپ لئے۔ مقررہ جگہ پر ٹیکسی کا انتظار کرتے رہے۔ ساڑھے سات بجے تک جب ٹیکسی ڈرائیور علی رضا نہ آیا تو پھر 400 تومان میں نئی ٹیکسی لی اور زیارات کے لئے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے مشہد سے پندرہ بیس کلومیٹر دور ایک پہاڑی پر پہنچے۔ یہاں خواجہ مراد کا مزار ہے۔ خواجہ مراد' حضرت امام علی رضاؑ کے خاص صحابی تھے۔ ہم پہنچے تو مقبرہ بند تھا۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ خادم مشہد سے آنے والا ہے۔ اس کے آنے پر دروازہ کھلے گا۔ تھوڑی دیر میں وہ آگیا۔ دروازہ کھلنے پر فاتحہ پڑھی' تصاویر اتاریں' پانی پیا اور باہر آگئے۔ یہاں لوگ اپنی منتوں مرادوں کے لئے موم بتیاں جلاتے ہیں۔ ہم لوگ پہاڑی سڑک سے اترے اور نیچے ٹیکسی میں آگئے۔ اب اگلی منزل بہشت رضا تھی۔ یہ ایک قبرستان ہے جہاں عراق ایران جنگ کے شہدا دفن ہیں۔ قبریں ترتیب سے بنی ہوئی ہیں۔ ان پر نمبر لگے ہیں۔ ساتھ ساتھ گرین بیلٹ ہے اس پر قبر کے سرہانے شیشے کے باکس لگے ہیں۔ ان میں مدفون مرحوم

کی ذاتی چیزیں یا تصویر موجود ہے۔ فضا میں بہت بڑا ایرانی پرچم لہرا رہا ہے۔ یہاں کچھ دیر قیام کے بعد ہم "مقبرہ طوس" پہنچے۔ یہ مقبرہ شاہ نامہ اسلام کے مصنف کا ہے۔ یہاں داخلہ کے لئے ٹکٹ ہے۔ ٹکٹ گھر اور گیٹ پر موجود لوگوں نے اور ہمارے ساتھ موجود خواتین نے بات سمجھنے کا موقعہ نہ دیا۔ ٹکٹ کی شرح 2 ہزار ریال فی کس تھی جبکہ اہلکاروں نے ہماری لاعلمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم سے 2 ہزار تومان وصول کر لئے۔ گویا ایک ٹکٹ دو ہزار پاکستانی روپے کے برابر پڑا۔ اندر پہنچے تو ماحول کی خوبصورتی نے گیٹ پر بیٹھے لوگوں کی بد معاشی بھلا دی۔ سب سے پہلے فردوسی کے مقبرہ کی تصویر بنائی۔ یہاں بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ یہ جگہ طوس شہر کہلاتی ہے۔ یہاں جو پہاڑی سلسلہ ہے اسے کوہ طوس کہا جاتا ہے۔ فردوسی کی قبر زیر زمین ہے۔ دیواروں پر شاہ نامے میں درج مناظر کی تصاویر نقش ہیں۔ یہ کام سنگ تراشی کی اعلیٰ ترین مہارت ہے۔ فن کار یا فن کاروں نے کمال چابکدستی سے دیواروں کو شاہ نامہ اسلام کا منظرنامہ بنا دیا ہے۔ تھوڑی دیر یہاں رکے، تصاویر بنائیں اور باہر آ گئے۔ شہر طوس کی مٹی کی دیوار کو دیکھتے ہوئے اصل میوزیم میں پہنچے۔ میوزیم سے معلوم ہوا کہ فردوسی نے اپنا شاہ نامہ 20 سال میں مکمل کیا تھا۔ اخباری سائز کے 14 سو صفحات کی کتاب کی صورت میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کا وزن 72 کلو ہے۔ یہاں بھی شاہ نامہ کی پینٹنگز آویزاں ہیں۔ یہاں زمانہ قدیم کے ہتھیاروں سے لے کر توڑے دار بندوق تک کے زمانہ کے ہتھیار سجائے گئے ہیں۔ مختلف ادوار کے سکے، برتن اور دیگر متفرق اشیاء یقیناً معلومات افزاء ہیں۔ میوزیم سے نکلتے نکلتے ہمیں دس بج گئے۔ واپسی پر "زندان ہارون" دیکھنے کے لئے رکے لیکن نیچے نہ جا سکے۔ یہاں بھی مرمت وغیرہ کا کام جاری ہے۔ اس زندان میں حضرت امام علی رضاؑ کو قید رکھا گیا تھا۔

اگلی زیارت، مقبرہ پیر پالان دوز یہاں سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر تھا۔ باقی چند زیارات بھی راستے میں تھیں لیکن ہمیں 11 بجے تک واپس حرم پہنچنا تھا۔ پروگرام میں تبدیلی کرکے ٹیکسی کا رخ واپس ہوٹل کو کر دیا۔ ٹھیک گیارہ بجے ہم وہاں تھے۔ باقی لوگ

ابھی تیار ہو رہے تھے۔ ہمیں روضہ شہزادہ سلطان احمد، پیر پالان دوز اور مقبرہ نادر شاہ وغیرہ دیکھنے کی حسرت رہی۔ انشاء اللہ پھر کسی اور موقعہ پر سہی۔

دسترخوان امام رضاؑ

آج ہمارا قافلہ امام رضا علیہ السلام کے دسترخوان پر مدعو تھا۔ $11\frac{1}{2}$ بجے حرم میں کھانے کے لئے مخصوص ریسٹورنٹ میں پہنچ گئے۔ یہ ایک عالیشان دو منزلہ ہوٹل ہے۔ یہاں زائرین کے لئے کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ماحول میں بھرپور پاکیزگی اور نفاست جھلک رہی تھی۔ میزوں پر سفید کپڑے، کرسیوں پر سفید کور، اجلی وردیوں میں بیرے۔ سب کچھ بہت بھلا لگ رہا تھا۔ ہمیں سادہ چاول، ان کے نیچے زعفران میں پکی کھرچن کی چند قاشیں، چپاتی، نان اور دال گوشت پیش کیا گیا۔ کھانا بہت لذیذ تھا۔ کہتے ہیں کہ جنگ سے پہلے مینو میں انواع و اقسام کے کھانے ہوا کرتے تھے۔ مہمانوں کو کم از کم تین دن تک کھانا پیش کیا جاتا تھا۔ اب صرف ایک دن اور ایک وقت کے لئے یہ دسترخوان سجایا جاتا ہے۔

زاہدان کو واپسی

کھانے سے فارغ ہو کر الوداعی سلام کے لئے صحن آزادی میں امام محترم کی ضریح پر پہنچے۔ طلائی چشمہ کے سامنے سے سلام کیا۔ پانی پیا اور ہوٹل واپس آگئے۔ اب ہمارا قافلہ ٹیکسیوں میں سوار ہو کر مشہد بس ٹرمینل پہنچا۔ بس ٹرمینل شہر سے باہر پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ ٹیکسیوں سے اترے تو سخت سرد ہوا نے استقبال کیا۔

مغربی انداز میں تعمیر شدہ ٹرمینل سبھی ضروریات پوری کرتا ہے۔ ہماری مطلوبہ بس $2\frac{1}{2}$ بجے اسٹینڈ پر آئی۔ سامان وغیرہ رکھ کر نکلتے نکلتے 3 بج گئے۔ اب اگلا مرحلہ پولیس چوکی پر اندراج تھا۔ اس میں مزید آدھا گھنٹہ صرف ہو گیا۔ اب ہم وطن واپسی کے لئے طویل سفر پر زاہدان کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ راستہ تقریباً ایک ہزار میل لمبا ہے۔ آتے ہوئے ہم طیارے سے زاہدان سے تہران پہنچے تھے۔ اب سڑک کے راستے واپسی تھی۔

اگرچہ وقت زیادہ صرف ہو گا لیکن شمالی ایران کی سیر ہو جائے گی۔ ہمیں جو بس ملی وہ بہت اچھی تھی۔ سڑک بھی اچھی اور موسم بھی خوشگوار تھا۔ سفر کا آغاز بڑے پر سکون طریقے ہوا۔

مسلسل سفر

ظہرین کا وقت ختم ہونے والا تھا کہ ہماری گاڑی ایک چھوٹی سی آبادی میں مسجد کے قریب رکی۔ ہم لوگ دست شوئی' وضو اور نماز سے فارغ ہوئے۔ سفر پھر شروع ہو گیا۔ گھنٹہ بھر کا سفر طے ہوا ہو گا کہ آندھی نے آلیا۔ زبردست جھکڑ بھاری بھر کم "سیارہ" کو پتے کی طرح لرزا دیتے۔ آندھی کا زور کم ہوا تو تیز بارش اور ژالہ باری شروع ہو گئی۔ اب موسم مزید سرد ہو گیا۔ بس کی کھڑکیاں دروازے اگرچہ بند تھے اس کے باوجود گرم چادر اوڑھنا پڑی۔ سفر جاری رہا۔ اب نیند نے آلیا۔ ذرا سا اونگھے تھے کہ اچانک شدید گرمی کا احساس ہوا۔ گرم چادر اتاری۔ باہر تیز دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ بس کا ڈرائیور زاہدان کا رہنے والا تھا۔ قوی الجثہ اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کا ساتھی ڈرائیور مسلسل بلند آواز میں اس سے گفتگو کیے جا رہا تھا۔ گفتگو کیا تھی یہ تو سمجھ میں نہ آئی البتہ ہم لوگ یہ ضرور سمجھ گئے کہ اس بلند آہنگ گفتگو کا مقصد گاڑی چلانے والے کو بیدار اور مستعد رکھنا ہے۔ طویل سفر پر چلنے والی بسوں میں تین افراد کا عملہ ہوتا ہے' دو ڈرائیور اور ایک کلینر۔ یہ تینوں فرنٹ کی دونوں نشستوں پر براجمان تھے۔ باتیں کرتے' قہوہ پیتے چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے رات کے نو بج گئے۔ کسی جگہ رکنے' ٹھہرنے' نماز پڑھنے کا انہیں مطلق خیال نہ تھا۔ ایک آبادی آئی' مسافروں نے مناسب جگہ گاڑی روکنے اور دستشوئی کا مطالبہ کیا لیکن ڈرائیور نہ مانا۔ کہنے لگا' دس منٹ بعد ایک ریسٹورنٹ پہ رکوں گا۔ ہم لوگ خاموش ہو گئے۔

موعودہ دس منٹ گزر گئے' مزید دس منٹ گزرے' ایک گھنٹہ گزر گیا لیکن ڈرائیور کا پاؤں بریک کی طرف نہ اٹھا۔ تب ایک پٹرول پمپ پر گاڑی رکی وہ بھی ایندھن لینے کے

لئے۔ اب ڈرائیور موصوف کا اصرار تھا کہ یہاں صرف ایک آدمی پیشاب کے لئے اترے گا۔ بقیہ مسافر دس منٹ بعد آنے والے ریسٹورنٹ پر اتریں۔ اس بات پر مسافروں اور ڈرائیور کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی۔ تمام مسافر بس سے اتر آئے۔ پٹرول پمپ پر دو صاف ستھرے ٹائلٹ تھے۔ سب نے یہاں دستشوئی کی۔ پٹرول پمپ والے نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ البتہ ڈرائیور مضطرب رہا۔ دس پندرہ منٹ میں سب فارغ ہو گئے۔ قافلے کے پاس کھانا موجود تھا۔ روٹی اور آملیٹ رول' چلتی گاڑی میں کھا لئے گئے۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ نماز پڑھنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش تھی۔ گاڑی تیزی سے اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک جگہ اندھیرے ہی میں بس رکی۔ ڈرائیور نے کہا' یہاں نماز' کھانے وغیرہ سے فارغ ہو لیں۔ باہر نکلے تو دیکھا کہ ریسٹورنٹ ہے۔ جنریٹر خراب تھا جسے ٹھیک کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں جنریٹر ٹھیک ہو گیا۔ جنگل میں منگل ہو گیا۔ تب وضو کیا اور نماز پڑھی۔ قہوہ پیا اور واپس آ کر بس میں بیٹھ گئے۔ موسم اس وقت نہ سرد تھا اور نہ گرم بلکہ مناسب حد تک معتدل تھا۔ سفر پھر شروع ہو گیا۔ رات کی تاریکی میں باہر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کہیں کہیں آتی جاتی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس سے ارد گرد کے جو مناظر دیکھنے میں آئے ان سے پتہ چلا کہ سڑک پہاڑی سلسلہ کے درمیان تھی۔ آبادی نہ ہونے کے برابر' ایک جگہ راستے میں جنگل کا اشارہ بھی دکھائی دیا لیکن جنگل نام کی کوئی چیز کہیں دور ہو تو ہو' سڑک کے قریب تو نظر نہ آئی۔ پورے راستے میں درخت کہیں نظر نہ آئے۔ پہاڑی جھاڑ جھنکار کے طویل سلسلہ کو اگر جنگل کہتے ہوں تو الگ بات ہے۔

الوداع ایران

25 اپریل 1998ء' صبح ساڑھے پانچ بجے زاہدان آ گیا۔ شہر میں داخل ہونے والی شاہراہ کے شروع میں قائم "سرائے رضا" میں ابلے ہوئے انڈوں اور چائے کا ناشتہ کیا۔ کچھ دیر آرام کیا' چھ بج گئے۔ اب ڈرائیور تبدیل ہو گیا۔ دیو نما ڈرائیور کی بجائے منحنی سا لیکن

باتونی آدمی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اب سفر کا آخری مرحلہ میرجاوا' کے لئے شروع ہوا۔ ایک گھنٹہ بعد پہلی زنجیر پر پہنچے۔ یہاں ویگنوں کی یلغار تھی۔ راستہ بند' ہجوم مضطرب۔ مسافروں اور ڈرائیوروں کا اصرار تھا کہ زنجیر کھولو۔ پتہ چلا یہ روزانہ کا معمول ہے۔ خاردار تاروں کے دوسری طرف پاکستانی بلوچستان تھا۔ لوگ مختلف اشیاء اٹھائے دوڑتے بھاگتے نظر آرہے تھے۔ ایرانی حصہ کی طرف سے سرحد پار کولر' کمبل' آٹا اور تھیلوں میں بند مختلف اشیاء سمگل ہو رہی تھیں۔ یہ سب کچھ ایرانی سیکورٹی گارڈ اور پہرے داروں کے سامنے ہو رہا تھا۔ پاکستان کی بارڈر سیکورٹی فورس کہیں نظر نہ آئی حتیٰ کہ تفتان پر بھی کوئی سپاہی موجود نہ تھا۔ شاید دور کہیں پہاڑ کے اس طرف کوئی ہو تو ہو۔ سوا سات بجے کسٹمز کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔ موسم اچھا تھا لیکن تیز گرد آلود ہوائیں چل رہی تھیں۔ کسٹمز کے نگرانوں نے ہال کھول دیا اور ہم اپنا سامان لے کر اندر داخل ہو گئے۔ یوں گرد و غبار سے بچ گئے۔ امیگریشن اور کسٹمز کا عملہ پانچ منٹ پہلے ڈیوٹی پر آگیا۔ آتے ہی کام شروع کر دیا۔ کسٹمز کے ایک افسر نے سامان کا سرسری جائزہ لیا اور پوچھا۔ کربلا سے آئے ہو؟ پھر ایک تسبیح اور سجدہ گاہ مانگی۔ اب سب کا سامان کلیئر ہو گیا۔ ویسے بھی کسی کے پاس کوئی قابل اعتراض چیز نہ تھی۔ صرف ایک زائر نے ایران سے دو کمبل خریدے تھے۔

پاک وطن

ہم لوگ اپنے پاسپورٹ لے کر میرجاوا سے پاکستانی چیک پوسٹ تفتان میں داخل ہو گئے۔ لیکن ان دونوں چیک پوسٹوں کے درمیان 30 فٹ کی ایک سڑک واقع ہے۔ پاک وطن میں پہنچتے ہی پہلا احساس گندگی اور بے ترتیبی کا ابھرا۔ گھڑیاں آدھ گھنٹہ آگے ہو گئیں۔ اب ہم 8 بجے پاکستان کی سرحد پر موجود تھے۔ امیگریشن اور کسٹمز کے حکام آرام اور ناشتہ وغیرہ میں مصروف تھے۔ دراصل کچھ سودے بازی کے موڈ میں تھے۔ ادھر کچھ تھا ہی نہیں جس کے لئے سودے بازی کرتے۔ تھوڑی دیر بعد کوئی ایک آدمی آجاتا اور حکم صادر ہوتا۔ یہ نہ کریں' وہ نہ کریں۔ نو بجے بصد مشکل کام شروع ہوا۔

سامان اِدھر لائیں۔۔۔

بندے اُدھر چلے جائیں۔۔۔

ایک بس کے پٹھان ٹھیکیدار نے کہا کہ سارے پاسپورٹ مجھے دیجئے۔ میں یہ کام ابھی کروا دیتا ہوں۔ آپ کو صرف اتنا کرنا ہوگا کہ کوئٹہ تک میری بس میں چلیں اور یہی وہ غلطی تھی جس کی سزا صبح دس بجے سے لے کر اگلے روز صبح دو بجے تک اذیت ناک سفر کی صورت میں قافلہ کو بھگتنا پڑی۔

پاکستانی علاقہ جس کا تذکرہ میں پہلے بھی کر چکا ہوں' انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں ہے۔ راستے کی زنجیریں' رشوت اور سودے بازی کے لئے مشہور ہیں۔ بس میں انواع و اقسام کا سامان اوپر تک لدا ہوا تھا۔ قدم قدم رشوت' بحث مباحثہ اور تلخ کلامی تھی۔ گاڑی کی 16 ڈبل سیٹیں ہمارے پاس تھیں۔ آخری چند سیٹیں ان کے پاس تھیں جن پر بلوچی اور افغان لدے ہوئے تھے۔ چھت کے ایک حصہ میں ہمارا سامان تھا۔ باقی میں سامان تجارت۔۔۔ تنگ سڑک کا سفر' بس میں گھٹن' گرمی' بونٹ پر بیٹھے 5 نشئی' چرس والے سگریٹوں کے مرغولے بس میں پھیلا رہے تھے۔ شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اب ہم پاکستان میں ہیں۔ ان نوجوانوں کو دیکھ کر افسوس ہو رہا تھا کہ ان کا کیا مستقبل ہے؟ چرس' گانجا اور ہیروئن ان کا معمول ہے۔ ایک بیمار' تہی دست اور غلیظ معاشرے کے گندے لوگ اپنے شب و روز کیسے گزار رہے ہیں۔ میلوں تک پینے کا پانی دستیاب نہیں۔ رہنے کو ڈھنگ کا گھر نہیں۔ کرنے کو مناسب کام نہیں۔ اب اس طرح کے معاشی اور معاشرتی دباؤ میں یہ لوگ نشہ ہی میں فرار ڈھونڈیں گے۔

بس رکتی' ٹھہرتی' چلتی رہی۔ سیٹیں اتنی غیر مناسب تھیں کہ سکون سے بیٹھنا محال تھا۔ میرے پاس ٹوکری میں پانی کی چھاگل (تھرماس) تھی۔ اوپر تولیہ پڑا تھا ایک تیز جھکڑ نے تولیہ اٹھا کر بس سے باہر اچھال دیا۔ اب صبر ہی کیا جا سکتا تھا۔ سر شام ایک مقام (نوکنڈی) پر کچھ بہتر صورت حال نظر آئی۔ دور جنگل میں دستشوئی کے لئے گئے۔ خواتین بھی دوسری سمت میں چلی گئیں۔ یہاں ایک کنواں موجود تھا اس کا پانی کچھ بہتر نکلا' کھانا کھایا۔ عرصہ بعد

تنور کی تازہ اور گرم روٹی میسر آئی۔ اس کا تو مزہ ہی کچھ اور تھا۔ کھانے پینے اور ستانے کے بعد سفر پھر شروع ہوا۔ پھر وہی ایجنسیں' کبھی زنجیر' کبھی کسٹمز' کبھی ملیشیا اور کبھی فوج۔۔۔ نوشکی پر سامان کا بڑا حصہ اتار لیا گیا کیونکہ آگے فوج کی چوکی آ رہی تھی اور خاصی سختی برتی جاتی ہے۔ یہاں قافلہ سالار کا بس ڈرائیور سے جھگڑا ہو گیا۔ آخری چیک پوسٹ پر تلاشی ہوئی۔ ٹارچ کی روشنی میں کیا تلاشی ہو سکتی ہے۔ ڈرائیور نے اپنی لائیٹیں بھی نہ جلائیں۔ خدا خدا کرکے اڑھائی بجے علمدار روڈ کوئٹہ پر واقع بلتستانیہ امام بارگاہ پہنچے۔ کمرے کھلوا کر آرام کے لئے لیٹ گئے۔ صبح فجر کے ساتھ گزشتہ روز کی قضا نمازیں پڑھیں۔

26 اپریل 1998ء' اب ہم سفر کے آخری مرحلہ میں کوئٹہ میں موجود تھے۔ صبح حمام میں غسل کیا۔ کپڑے بدلے' کوئٹہ کی سیر کی۔ کرنل ایس ایم رضا نقوی کے بیٹے یہاں اسٹاف کالج میں زیر تربیت ہیں' وہ بھی آ گئے۔ ان کے ساتھ کوئٹہ کے بازار میں گئے۔ چند چھوٹی چھوٹی چیزیں بچوں کے لئے خریدیں۔ پھر کرنل صاحب کھانے پر لے گئے۔ سلیپنگ بیوٹی (پہاڑ) کے دامن میں ایک صاف شفاف ماحول میں آفیسرز بنگلوز بنے ہیں۔ میجر رضا صاحب کے بچے گھل مل گئے۔ گپ شپ لگائی' کھانا کھایا۔ ٹھیک سوا دو بجے واپس بلتستانیہ پہنچ گئے۔ معلوم ہوا لاہور کے لئے فلائٹ ساڑھے پانچ بجے جائے گی۔ سامان روانگی کے لئے تیار تھا۔ تین بجے کوئٹہ شہر سے ایئرپورٹ کو روانہ ہوئے۔ چار بجے تک ہم بورڈنگ کارڈ لے کر لاؤنج میں پہنچ چکے تھے۔ جہاز وقت پر آیا۔ ٹھیک وقت پر روانہ ہوا۔۔۔ ساڑھے چھ بجے ہم لاہور ایئرپورٹ پر تھے۔ یوں یہ سفر زیارت اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول و مقبول فرمائے۔ آمین!

جاوید زیدی لاہور اور گردونواح کے زائرین کو زیارات مقدسہ کی سعادت سے بہرہ مند کرنے کے لئے گزشتہ کئی برسوں سے مصروف عمل ہیں۔ وہ "کاروان امام رضا" کے نام سے قافلہ ترتیب دیتے ہیں اور اب تک چالیس مرتبہ یہ فریضہ سرانجام دیتے ہوئے زائرین کی رہنمائی اور مدد کر چکے ہیں۔

اس طرح کے قافلے اور کاروان لے کر جانا یقیناً اپنی جگہ پر ایک تجارتی عمل ہے لیکن اگر عمل پر تجارت کی بجائے عقیدت' خدمت اور سعادت کے جذبات غالب آجائیں تو میرے خیال میں ایسے تجارتی عمل کو سلام پیش کرنا چاہئے۔ ہم نے زیارات کے سفر میں اول تا آخر زیدی صاحب کو خدمت کے جذبہ سے سرشار پایا۔ ان کی رہنمائی ہمیں قدم قدم پر ممد و معاون رہی۔ انہی کی بدولت ہم ایران' عراق اور شام کی سرحدی چوکیوں پر "دخول و خروج" کے مرحلوں سے بہ آسانی گزر گئے۔ ان کی شناسائی' تجربہ اور جذبہ خدمت ہی تھا جس نے ہمیں اتنے دنوں دور دیس میں آمدورفت' قیام و طعام اور مجالس و منازل کے سلسلے میں ایسی سہولیات بہم پہنچائیں جیسے ہم یہ سب کچھ لاہور میں رہ کر رہے ہیں۔ ان کے کفیل تینوں ملکوں میں مستعدی کے ساتھ ہماری پذیرائی کو موجود تھے۔ ٹرانسپورٹ' ہوٹل' کھانا جو بھی ضروری امر تھا اس کا بہتر سے بہتر انتظام تھا۔

میں اپنے ان پڑھنے والوں کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں جو زیارات کا ارادہ رکھتے ہیں کہ انفرادی طور پر اس طرح کے سفر بہت سی دقتوں اور صعوبتوں کو جنم دیتے ہیں۔ مناسب ترین طریقہ یہی ہوتا ہے کہ کسی اچھے قافلہ کا انتخاب کر لیا جائے--- لفظ "اچھے" پر زور اس لئے دے رہا ہوں کہ کچھ "رہنمایان قافلہ" سرحد پار لے جاکر بددیانتی پر بھی اتر آتے ہیں۔ کچھ تو راستے میں زائرین کو بے یارومددگار چھوڑ کر غائب ہو جاتے ہیں۔

بہرطور خدا کا شکر ہے کہ ہمیں جاوید زیدی صاحب جیسا قافلہ سالار ملا اور ہمارا سفر سعادت بحسن و خوبی سرانجام پایا۔

آغا امیر حسین

ماہنامہ سپوتنک کے مدیر اعلیٰ اور ادارہ کلاسیک کے روح رواں آغا امیر حسین 1936ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد والدین کے ساتھ پاکستان میں آگئے۔

حالات نے اپنی معاش پر جلد توجہ دینے پر مجبور کر دیا۔ دن کو اخبار چھپتے' بک شاپ پر ملازمت کرتے لیکن شام کو نائٹ کالج سے حصولِ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

کتاب سے شغف بچپن ہی سے تھا۔ 1957ء میں بیرون لوہاری گیٹ کتابوں کی دکان شروع کی۔ اسے 1960ء میں موجودہ جگہ' چوک ریگل' دی مال پر لے آئے۔ ادارے کا نام کلاسیک رکھا اور کتابیں شائع کرنے لگے۔ کلاسیک اب ملک بھر میں اشاعت کے حوالے سے ایک تاریخ' ایک توانا روایت اور ایک مضبوط تہذیبی حوالہ بن چکا ہے۔

1991ء میں سپوتنک کا اجراء کیا۔ آغا امیر حسین کی ادارت میں سپوتنک ہر ماہ ایک مکمل کتاب' قاری کو فراہم کرتا ہے۔

1997ء میں حج کی سعادت حاصل کی اور "اللہ کا مہمان" کے نام سے سفر نامہ حج تحریر کیا۔

1998ء میں زیاراتِ آئمہ مطہر کے لئے ایران' عراق اور شام کا سفر کیا اور "آلِ محمد کا مہمان" کے عنوان سے رودادِ زیارت لکھی۔

حالاتِ حاضرہ' سیاسیات' اقتصادیات اور مذہب ان کی دلچسپی کے خصوصی شعبے ہیں۔ حالاتِ حاضرہ پر ان کے مضامین ماہنامہ سپوتنک کے علاوہ قومی اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مضامین کا مجموعہ "حکمرانوں کے کرتوت" کے نام سے اگست 99ء میں شائع ہو چکا ہے۔

افسانہ طرازی سے پاک،

سچے مشاہدات و محسوسات،

ایک بامقصد رپورتاژ

تحریر: آغا امیر حسین

اعلیٰ سفید کاغذ پر
مجلد دیدہ زیب چوتھا ایڈیشن

ہدیہ:
یک صد روپے صرف

کلاسیک چوک ریگل (مال) لاہور

محترمی آغا امیر حسین صاحب

آداب! "آلِ محمد کا مہمان" دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے ....
.... یہ ایک دلنواز، دلپذیر اور دلگداز تحریر ہے جو عقیدت و محبت اور وارفتگی و شیفتگی سے شرابور ہے۔
تحریر کا بے ساختہ پن اور عقیدت میں لتھڑے ہوئے جذبوں کا برملا اظہار اس تحریر کا خاص
حُسن ہے اور کمال یہ ہے کہ مذہبی اور تاریخی حوالے سے تو یہ ایک دستاویز ہے ہی مگر جغرافیائی حوالے
سے ایک نہایت عمدہ اور وقیع گائیڈ بک بھی ہے کہ اگر کوئی نصیبوں کا مارا مقاماتِ مقدسہ
تک پہنچ نہ بھی سکے تو یہاں بیٹھے بیٹھے ایک ایک مقام اور ایک ایک منظر اس کی نظروں کے سامنے کھلتا
چلا جائے اور اگر کسی کو وہاں جانے کی سعادت مل جائے تو اس خوبصورت تحریر کا ایک ایک ورق
اس کی انگلی تھام کر اُسے قدم قدم ساتھ لیے چلے۔

آغا صاحب! میں ذاتی، نسبی اور خاندانی حوالے سے سُنّی مسلک سے تعلق رکھتا ہوں مگر میری
تعلیم اور تربیت کی یہ عطا ہے کہ آلِ محمد کی ایک ایک ہستی میری عقیدتوں کے آسمان پر ستاروں کی طرح جگمگاتی ہے۔
آپ نے بلاشبہ یہ تحریر سپردِ قلم کر کے ان گنت جذبوں کو ایک بے بہا دولتِ تسکین و راحت اور دلوں
میں مچلتے ارمانوں کو تازیانہ فراہم کیا ہے۔ اس کا اجر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی دے سکتی ہے
ہم مجبورِ محض لوگ تو صرف آپ کو مُبارکباد پیش کر سکتے ہیں قطعی ان معنوں میں جن معنوں میں یہ لفظ
لُغت میں محفوظ ہے اور جن معنوں میں کائنات کے سب سے پہلے انسان نے اسے استعمال کیا ہو گا۔
کیونکہ عمومی طور پر بہت سے دیگر لفظوں کی طرح کثرتِ استعمال سے یہ لفظ بھی اپنی معنویت کھو چکا ہے۔ بہرحال..
آپ کو بہت بہت مُبارک ہو۔

والسلام

۱۶ جولائی ۹۸ء

اعزاز احمد آذر

ISBN 969-28-0063-6